محمود احمد عبّاسی کے نظریات
کا
تحقیقی جائزہ

مؤلّفہ
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی
سیّد عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ
بانی جامعہ حقّانیہ ساہیوال سرگودھا

بسعی و اہتمام
میاں رضوان نفیس

ناشر
شاہ نفیس اکادمی
۱۱/۲۷ سعدی پارک، مزنگ، لاہور
۰۳۲۱ ۹۴۴۸۴۴۲

محمود احمد عباسی کے نظریات

کا

تحقیقی جائزہ

مؤلفہ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی

سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہٗ

بانی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بسعی واہتمام

میاں رضوان نفیس

شاہ نفیس اکادمی

سعدی پارک، مزنگ لاہور

0300-4183709

0321-9448442

سلسلۂ اشاعت نمبر 16

نام کتاب: .... محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ

مصنف: .... حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

بسعی واہتمام: .... میاں رضوان نفیس

طبع اوّل: .... شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ/ جولائی ۲۰۱۳ء

قیمت: ....

ناشر: .... شاہ نفیس اکادمی، ۱۱/۲۷ سعدی پارک مزنگ

لاہور ۰۳۰۰-۴۱۸۳۷۰۹

۰۳۲۱-۹۴۴۸۴۴۲

☆ ملنے کے پتے ☆

۱۔ نفیس منزل، ۳/۷۷ اکریم پارک لاہور

۲۔ مکتبہ قاسمیہ، ۱۷/ الفضل مارکیٹ، اُردو بازار لاہور

۳۔ مکتبہ سید احمد شہیدؒ، اُردو بازار لاہور

۴۔ مکتبہ زکریا، الکریم مارکیٹ۔ اُردو بازار، لاہور

۵۔ مکتبہ سلطان عالمگیر، ۵/ لوئر مال اُردو بازار لاہور

۶۔ الفیصل، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور

۷۔ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰/ انارکلی، لاہور

۸۔ مکتبہ فاروقیہ، ہزارہ روڈ، حسن ابدال

۹۔ مکتبہ رشیدیہ، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک راولپنڈی

۱۰۔ مکتبہ شہید اسلام، لال مسجد، اسلام آباد

۱۱۔ دفتر ختم نبوت یوتھ فورس، ایبٹ آباد روڈ، مانسہرہ

۱۲۔ مکتبہ رشیدیہ، نزد مقدس مسجد، اُردو بازار، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اُکابر علماءِ اہل السنّت والجماعت دیوبند کے نام جو رسوخ فی العلم، اخلاص وللّٰہیت، بے نفسی، دنیا سے بے رغبتی میں اپنی مثال آپ ہیں اور شریعت وسنت کو ہر حال میں مقدم رکھنا جن کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس سلسلۃ الذہب کے تمام اُکابر بعد میں آنے والے اُصاغر کے لیے روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں، ہماری سعادت مندی اِسی میں ہے کہ اس مینارۂ نور سے روشنی حاصل کر کے اپنے راستے کا تعین کرلیں تا کہ خیر وعافیت کے ساتھ اپنی منزل مراد کو جا پہنچیں۔

خاکپائے شاہ نفیس الحسینی قدس سرہٗ

اُحقر رضوان نفیس

فہرستِ مضامین

صفحہ	مضامین	شمار
۹	حرفِ رضوان	۱
۲۰	تائید (حضرت مولانا مفتی عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ)	۲
۲۱	مقدمہ (حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم)	۳
۳۱	تقریظ (حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانویؒ)	۴
۳۳	مختصر حالات	۵
۴۰	محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ	۶
۴۰	جدید تحقیق وریسرچ کے مذموم مقاصد	۷
۴۱	فتنۂ سبائیت	۸
۴۲	کتاب خلافت وملوکیت	۹
۴۳	خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بے بنیاد الزامات	۱۰
۴۳	حکیم الامت حضرت تھانوی کی رائے گرامی	۱۱
۴۳	کتاب خلافت وملوکیت پر علماء کی تنقید	۱۲
۴۴	صحابہ کرامؓ پر بے اعتمادی کا نتیجہ	۱۳
۴۵	خلافت وملوکیت کا تاثر	۱۴
۴۵	ایک الزام کی حقیقت	۱۵

۱۶	شیعت کی ترجمانی	۴۷
۱۷	مودودی صاحب کا منہج تحقیق	۴۷
۱۸	اہل سنت کا اصول	۴۸
۱۹	کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید''	۴۹
۲۰	مسلک اہل سنت	۵۰
۲۱	حضرت علیؓ کی خلافت اور عباسی صاحب کا موقف	۵۰
۲۲	مسلک اہل سنت سے انحراف	۵۲
۲۳	عباسی صاحب کی مغالطہ انگیزی	۵۲
۲۴	ایک تائیدی رائے پر تبصرہ	۵۳
۲۵	حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کے خلاف پروپیگنڈا	۵۴
۲۶	دوسرا پروپیگنڈا	۵۹
۲۷	حضرت حسینؓ اور یزید کے بارہ میں عباسی صاحب کا رویہ	۶۱
۲۸	اس ریسرچ کا عام اصول	۶۴
۲۹	محض احتمالات اور ظنیات سے استدلال	۶۴
۳۰	مثال نمبر (۱)	۶۴
۳۱	مثال نمبر (۲)	۶۴
۳۲	مثال نمبر (۳)	۶۵
۳۳	مناقب یزید میں محویت	۶۶
۳۴	محمود احمد عباسی صاحب کے پیش کردہ حوالوں کے آئینہ میں یزید کی صورت	۶۷
۳۵	موسیقی شریعت کی نظر میں	۶۹
۳۶	منصف مزاجی	۶۹

۳۷	یزید کے بارہ میں اکابر امت کی آراء	۷۱
۳۸	عباسی صاحب کا نظریہ اور ان کے حوالوں کا جائزہ	۷۴
۳۹	عباسی صاحب کے مغالطات	۸۰
۴۰	حضرت حسینؓ کے بارہ میں عباسی صاحب کے خیالات	۸۲
۴۱	اہل بیت کی محبت عین ایمان ہے	۸۴
۴۲	حضرت حسینؓ کی صحابیت سے انکار	۸۵
۴۳	حضرت حسینؓ کی شہادت سے انکار	۸۶
۴۴	حضرت حسنؓ کی وفات	۸۷
۴۵	عباسی صاحب کا احادیث کے ساتھ ناروا سلوک	۸۹
۴۶	مؤلف کی ایک دوسری کتاب	۹۰
۴۷	۸ لاکھ ۹۳ ہزار ۲۳۱ حدیثوں کو وضعی جعلی اور مہمل قرار دینا	۹۰
۴۸	عباسی صاحب کا بخاری شریف کے ساتھ سلوک	۹۳
۴۹	عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث پر وضعی ہونے کا حکم لگانا	۹۴
۵۰	عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث سے استہزاء اور تمسخر	۹۴
۵۱	ترمذی شریف کے متعلق	۹۵
۵۲	عباسی صاحب کا التحیات کے بعد درود شریف کا اور ہر درود میں آل محمدؐ کے ہونے کا انکار کرنا	۹۷
۵۳	امام مہدی اور نزول عیسیٰ اور قتل دجال کا انکار	۹۸
۵۴	درود شریف میں آل محمدؐ کے انکار کی دلیل کا جواب	۹۹
۵۵	اصل موضوع کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' کی طرف رجوع	۱۰۴
۵۶	نزاع کی حقیقت	۱۰۴

۵۷	ولایت عہدی کی کاروائی سے حضرت امیر معاویہؓ پر الزام دینا درست نہیں	۱۰۶
۵۸	عباسی صاحب کا ایک نکتہ	۱۰۷
۵۹	حضرت حسینؓ کا مؤقف	۱۰۷
۶۰	یزید کے خلاف اقدام کا جواز	۱۰۸
۶۱	مصالحت کی تین تجویزیں	۱۱۰
۶۲	سید الشہداء	۱۱۱
۶۳	فائدہ	۱۱۲
۶۴	لفظ امام	۱۱۲
۶۵	حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد پر شبہ کا جواب	۱۱۵
۶۶	حضرت حسینؓ کو اس اقدام سے روکنے کی اصل وجہ	۱۱۵
۶۷	حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا مؤقف	۱۱۶
۶۸	فسق یزید اور مؤقف صحابہ کرامؓ	۱۱۷
۶۹	دونوں گروہ مجتہد تھے	۱۱۹
۷۰	اس کتاب کی ایک اور اہم تاریخی بحث	۱۲۱
۷۱	حضرت حسینؓ کے سفر کا آغاز	۱۲۱
۷۲	حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کرنا	۱۲۲
۷۳	حسینی قافلہ کا باربردار قافلہ پر قیاس کرنا	۱۲۲
۷۴	ایک بڑا خلا	۱۲۳
۷۵	عباسی صاحب کا دوسرا دعویٰ	۱۲۳
۷۶	پہلا ثبوت	۱۲۴
۷۷	دوسرا ثبوت	۱۲۵

۷۸	تحقیق مزید دربارہ لعنت بریزید	۱۲۶
۷۹	حدیث ''مغفور لھم''	۱۲۹
۸۰	حرف آخر	۱۳۴
۸۱	ضمیمہ (ترتیب: میاں رضوان نفیس)	۱۳۶
۸۲	فاطمہؓ بنت رسولؐ کی توہین ''بخاری'' اور روایاتِ صحاح کو جعلی قرار دینا	۱۳۷
۸۳	عباسی صاحب حقیقۃً کیا تھے؟ (فیصلہ کن اشارات)	۱۳۹
۸۴	عباسی صاحب حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے	۱۴۶
۸۵	یزید کے متعلق مسلکِ اعتدال	۱۴۷
۸۶	بھری مجلس میں ''عباسی جنتری'' کو چیلنج	۱۵۱



حرفِ رضوان

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

ع رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف

کہ آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' کے شائع ہونے سے ملک میں ایک تازہ فتنہ ''ناصبیت'' کا پیدا ہوا جس سے ہندو پاک کی سرزمین یکسر پاک تھی اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ملک کا اچھا خاصہ سنجیدہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اس فتنہ کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا اور بہت سے حلقوں میں اس کو ایک تاریخی ریسرچ کا درجہ حاصل ہو گیا حالانکہ یہ کتاب سرتاسر فریب، خداع، تلبیس اور کذب و افتراء کا مرقع ہے۔

محمود احمد عباسی اس برصغیر میں فتنہ ناصبیت اور یزیدیت کا سربراہ ایک ناخداترس اور دین بیزار آدمی تھا، جس زمانہ میں وہ چینی سفارت خانہ میں ملازم تھا اس نے کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' لکھ کر اس فتنہ کی داغ بیل ڈالی تھی۔ حدیث پاک میں آتا ہے :

اَلْفِتْنَۃُ نَائِمَۃٌ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اَیْقَظَھَا

فتنہ خوابیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو جو اس کو بیدار کرے۔

(رواہ الرافعی فی امالیہ، ملاحظہ ہو ''کشف الخفاء و مزیل الالباس'' ج:۲، ص:۱۰۸) (نعمانیؒ)

اور پھر اس فتنہ ناصبیت اور یزیدیت نے اتنا سر اُٹھایا کہ اس بات کو شیخ المشائخ

استاذ الاساتذہ، محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اس درد سے لکھتے ہیں:

''کتنے تاریخی بدیہیات کو کج فہمی نے مسخ کر کے رکھ دیا، یہ دنیا ہے اور دنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ ہر دور میں کج فہم اور کج رو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں۔ زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی قدرت میں ہے، ملاحدہ اور زنادقہ کی زبان کب بند ہو سکی کیا اس دور میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو افسانہ نہیں بنایا گیا۔ اور کہا گیا کہ واقعہ ہے ہی نہیں، اور کیا امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی، واجب القتل اور یزید کو امیر المومنین اور خلیفہ برحق نہیں ثابت کیا گیا۔''

(تسکین الصدور)

ہمارے پیر و مُرشد قطب الاقطاب حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ محمود احمد عباسی اور اُس کی کتاب کے شیطانی طلسم کو یوں آشکارا فرماتے ہیں:

''فتنۂ رافضیت و سبائیت اور خارجیت و ناصبیت کی تاریخ تو بہت پرانی ہے لیکن پاکستان میں ''یزیدیت'' ایک ''فتنۂ تازہ'' ہے۔ یزیدی فرقے کا بانی محمود احمد عباسی ہے۔ اس نے اپنی تالیف ''خلافتِ معاویہ و یزید'' سے اس کا آغاز کیا۔ دیکھتے دیکھتے اس کے گمراہ کن عقائد پھیلتے چلے گئے اور آج یہ حال ہے کہ جدید دانشوروں کی ایک خاصی تعداد اس کے تصنیفی دام تزویر کا شکار ہو چکی ہے اور حیف صد حیف کہ بعض عالمانِ دین بھی اس ضال و مضل کی تحقیقی خرافات پڑھ پڑھ کر جادۂ اہل سنت سے ہٹ گئے ہیں۔''

جب حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کو اپنے تلمیذ ارشد حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب (جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز

اور بھتیجے ہیں) کے خطوط سے معلوم ہوا کہ حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کی مجلس میں محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' پڑھی جا رہی ہے تو فوراً حضرت نے خطوط کے ذریعہ اس کا مجلس میں پڑھے جانے کو موقوف کرا دیا۔ وہ دونوں خط ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

مکرم و محترم مولوی عبدالجلیل صاحب مدفیوضکم

بعد سلام مسنون! اس وقت جمعہ کے دن ساڑھے گیارہ بجے میر صاحب سے سرسری ملاقات ہوئی کہ ہجوم تھا۔ رسالہ پہنچ گیا مگر دستی پرچہ باوجود میرے سوال کے بھی کوئی نہیں دیا۔ اس کے بعد ڈاک آئی اور اس میں کارڈ پرسوں بدھ کا لکھا ہوا ملا، اگرچہ اس جمعہ اور ہجوم کی وجہ سے وقت تنگ ہے مگر چونکہ اس میں حضرت کے نظام الاوقات میں یہ لکھا کہ ایک کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' سنائی جا رہی ہے اگر یہ وہی عباسی والی ہے تو ہرگز اس قابل نہیں کہ مجمع میں سنائی جائے، جو حدیث سے واقف نہیں، تاریخ پر عبور نہیں رکھتے اُن کو اس کا دیکھنا ہرگز جائز نہیں، سخت گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اس بدنصیب نے دیدہ دانستہ عبارتیں مسخ کی ہیں، مثال کے طور پر لکھتا ہے کہ:

حافظ ابن حجرؒ کی ''تہذیب التہذیب'' سے یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ حافظ نے ان سے یزید کی توثیق نقل کی ہے

اب کوئی شخص اصل کتاب کو نکال کر دیکھے تو معلوم ہو کہ حافظ نے اس میں لکھا ہے کہ:

یحییٰ جو ایک ثقہ آدمی ہیں، اُنہوں نے فلاں سے جو ثقہ ہے، یہ نقل کیا:
میرے سامنے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المومنین کہہ دیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے کوڑے لگوائے کہ تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے؟

اس سے اندازہ کرے کہ اس جاہل نے اس کو یہ لکھا ہے کہ حافظ نے یحییٰ سے یزید کی توثیق نقل کی ہے۔ تعجب ہے کہ مولانا محمد صاحب کے وہاں ہوتے ہوئے بھی یہ

کتاب حضرت کی مجلس میں پڑھی جا سکتی ہے۔ ''

مولانا عبدالجلیل صاحب مدظلہ نے مکتوب بالا کے جواب میں عریضہ لکھ کر واضح فرمایا کہ کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' مجلس عام میں نہیں سُنی گئی بلکہ صرف چند مخصوص خدام کی موجودگی میں سُنی گئی ہے۔

اس پر دوبارہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنے والا نامہ میں تحریر فرمایا:

کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کے متعلق تم نے لکھا ہے کہ خواص کے مجمع میں پڑھی جاتی ہے لیکن جن خواص کا نام آپ نے لکھا ہے وہ بھی تاریخ و حدیث کے زیادہ ماہر نہیں ہیں اور اس کتاب میں بددیانتی سے کام لیا گیا ہے، کہ ''لا تقربو الصلوٰۃ '' سے نماز کے پڑھنے کی قرآن پاک سے ممانعت کے مشابہ ہے۔ فقط، والسلام زکریا

حضرت مولانا سید انور حسین نفیس رقم صاحب مدظلہ (اجل خلیفہ مجاز حضرت رائپوری قدس سرہٗ) لکھتے ہیں کہ:

کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' کے مندرجات سے حضرت اقدس رائپوریؒ کو جو محبت صحابہ و اہلِ بیت عظام رضی اللہ عنہم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کیسے اتفاق ہو سکتا تھا؟ یہ خواندگی تو محض معلومات کے لیے تھی۔ حضرت اقدس نے اپنے مخصوص انداز میں ایک مختصر اور بلیغ جملے سے اس کتاب کی تردید فرما دی۔ فرمایا:

'' ہمیں تو اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم سے بھی محبت ہے''

انہی دنوں یہ بھی فرمایا کہ:

''میں تو ان سیدوں کا غلام ہوں، لیکن شیعوں کا نہیں''

کتاب ''خلافت معاویہؓ ویزید'' دوبارہ کبھی حضرت والا کی مجلس میں دیکھی

اور سنی نہ گئی۔ حالانکہ پسندیدہ کتابیں مجلس مبارک میں بار بار پڑھی جاتی تھیں۔ علماءِ اہل سنت دیوبند نے برملا اس کتاب کی تردید کی اور اس کے مصنف کی فتنہ انگیزی سے عامۃ المسلمین کو آگاہ کیا۔

(سیدنا علی وسیدنا حسین رضی اللہ عنہم ص۔۳۱۶)

مایہ ناز مؤرخ و محقق حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ اپنی لاجواب تصنیف ''سیدنا علی وسیدنا حسین رضی اللہ عنہما'' میں محمود احمد عباسی کے دجل کا پردہ یوں چاک فرماتے ہیں:

کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' صرف ایک چونکا دینے والی کتاب ہی نہیں تھی بلکہ اس نے بہت سے عوام وخواص کو اسلاف کے اس مسلک حق سے ہٹانے میں مدد کی جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تشاجرات کے بارے میں دین وایمان کی روشنی میں مسلّم ہے شروع میں ذمہ دار عالموں اور اداروں نے اس کتاب کی طرف توجہ نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا زہر خوب پھیلا۔ راقم الحروف نے روزنامہ ''انقلاب بمبئی'' میں ۷، نومبر لغایۃ ۱۷، ۱۹۵۹ء (۴ جمادی الاولیٰ لغایۃ ۱۶، جمادی الثانیہ ۱۳۷۹ھ) ۳۵، قسطوں میں اس کی اندرونی خرابیوں کو اجاگر کرکے صحیح باتیں بیان کرنے کی کوشش کی اور ان ہی کتابوں تک دائرہ بحث وتبصرہ کو محدود رکھا جن سے اس کے مؤلف نے قطع وبرید اور خیانت کرکے اپنا ذہنی مطلب نکال کر اسے تحقیق اور ریسرچ بنانا چاہا تھا، اب اس کو حک واضافہ کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔

اس کتاب پر لکھنے کا شدید تقاضہ اس وقت ہوا جب کہ حضرت الاستاذ مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علماءِ ہند نے ایک مختصر مگر جامع تبصرہ میں اس کتاب کا پول کھول کر رکھ دیا، یہ ہماری کوشش گویا اسی متن کی

شرح ہے۔(اگر کسی صاحبِ ذوق کے پاس حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ کے اس تبصرہ کی کوئی کاپی موجود ہو تو اُس کا ایک عکس ہمیں بھی مہیا کر دیا جائے تا کہ اس سے بھی افادۂ عام ہو سکے۔ادارہ)

مسلکِ دیوبند کی آبرو، محقق العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ محمود احمد عباسی اور اس کے برپا کردہ فتنہ ناصبیت کے متعلق یوں رقم فرما ہیں:

"نواصب" ناصبیه "اهل نصب" تاریخ میں ان لوگوں کا لقب ہیں جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی آل واصحاب کے خلاف بغض وعداوت کا علم بلند کر رکھا تھا۔چنانچہ علامہ زمخشریؒ "اساس البلاغه" میں لکھتے ہیں:نا صبت الفلان کے معنی آتے ہیں میں نے اس سے عداوت کھڑی کی ، چنانچہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت رکھتے ہیں ان کو اسی بنا پر 'نواصب" ناصبیه "اهل نصب" کہتے ہیں۔جس طرح روافض کا مذہب حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے تبری وبیزاری اور ان کو طرح طرح کے مطاعن سے مطعون کرنا ہے بعینہٖ یہی طریقہ نواصب کا خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔

(حادثۂ کربلا کا پس منظر:ص،۱۲۷)

اور برصغیر ہند و پاک تو ان کے وجود نامسعود سے شروع ہی سے پاک چلا آتا تھا، تاآنکہ حال میں محمود احمد عباسی امروہوی نے "خلافتِ معاویہؓ و یزید" لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ہوا دی اور اس کے مرجانے کے بعد کمیونسٹوں اور منکرینِ حدیث نے موقع سے فائدہ اٹھا کر عباسی کے متبعین کی پیٹھ ٹھونکی اور ان کو "ناصبیت" کے مشن کو فروغ دینے پر لگا دیا، چنانچہ اب مختلف ناموں سے انجمنیں قائم ہوگئی ہیں جن کا کام ہی اہل

سنت کو راہِ اعتدال سے ہٹانا ہے۔ محمود احمد عباسی صاحب نے یہ کتاب لکھ کر اہلِ سنت میں ناصبیت کا تازہ فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ اب بہت سے لوگ ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اور یزید کے مقابلہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خاطی و غلط کار سمجھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب سے سوائے ضرر کے فائدہ کوئی مرتب نہ ہوا۔ روافض تو اپنی جگہ اور سخت ہو گئے لیکن اہلِ سنت کے اعتدال میں فرق آ گیا، بہت سے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں شک کرنے لگے۔ آج تک کسی ایک رافضی کے متعلق بھی یہ نہیں بتلایا جا سکتا کہ وہ عباسی صاحب کی کتاب پڑھ کر تائب ہو گیا ہو، لیکن اس کے برخلاف اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی نکلی جو اس جھوٹ کے پلندہ کو صحیح سمجھ کر حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما طرف سے اپنے دلوں کو صاف نہ رکھ سکے۔
اس کتاب نے سادہ لوح عوام نہیں اچھے خاصے پڑھے لکھے طبقہ کو متاثر کیا ہے جن میں عربی مدارس کے بھی بہت سے فارغ التحصیل شامل ہیں، جن لوگوں کی دسترس موضوع کتاب کے اصل مآخذ تک نہیں وہ اس کو تحقیق اور ریسرچ کا ایک نادر شاہکار سمجھتے ہیں اور یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس بات کا کہ اب مسلمان من حیث القوم علوم اسلامیہ سے نابلد ہو گئے ہیں، لہٰذا جو کوئی شخص بھی اپنے کسی غلط نظریے کو ذرا نئے انداز سے بنا کر پیش کر دیتا ہے یہ اس کے ہو جاتے ہیں۔

سوچنے کی بات ہے جو شخص عربی، فارسی کی معمولی عبارتوں کے صحیح ترجمے نہ کر سکے، کتابوں کے غلط حوالے دے، مصنفین کی عبارتوں کو اپنے مفید

مطلب بنانے کے لئے غلط معنی پہنائے اوران میں قطع و برید سے کام لے، ایسے شخص کا پیش کردہ کوئی نظریہ کس درجہ قابلِ قبول ہوسکتا ہے۔؟

(ناصبیت تحقیق کے بھیس میں: جدید ایڈیشن)

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم العالیہ اپنے والدِ گرامی قدر حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعوم دیوبند کی مایہ ناز کتاب ''شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہ اور یزید'' پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں دردِ دل کا اظہار فرماتے ہیں:

یہ کتاب ''شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہ اور یزید'' ''جماعت دارالعلوم دیوبند'' کے متفقہ مسلک حق کی ترجمان ہے۔ محمود عباسی صاحب کی رسوائے زمانہ کتاب ''خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ ویزید'' مسلک اہلِ السنّت والجماعت کے نقیب ''دارلعلوم دیوبند'' کے نقطۂ فکر کے لحاظ سے ایک انتہائی گمراہ کن اور بہرلحاظ غلط کتاب ہے۔ بزرگان دارالعلوم دیوبند بصیرت وتحقیق کی روشنی میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو برحق اور یزیدیوں کے مؤقف کو نفسانیت پر مبنی سمجھتے ہیں۔ ''جماعت دارالعلوم دیوبند'' کے اس کتاب سے تحریراًوتقریراً کھلی بیزاری کا اعلان کرنے کے باوجود بھی جو ناپاک ضمیر لوگ محض اپنی خودغرضی اور نام آوری کے لیے ''خلافت معاویہ ویزید'' جیسی بیہودہ اور لچر کتاب کی تصنیف یا تالیف یا نقطۂ نظر سے بزرگان دارالعوم دیوبند کے متفق ہونے کا سوقیانہ اور جاہلانہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں وہ لائق صد ہزار ملامت افتراء پرداز ہیں، پیش نظر کتاب ''شہید کربلا اور یزید'' ترجمان اہلِ حق حضرت حکیم الاسلام کے حق نگار قلم سے ''خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ ویزید'' کی تردید اور مؤقف امام حسین رضی اللہ عنہ کی تائید میں علمی، فکری، تحقیقی اور مسلکی لحاظ سے حرفِ آخر کی حیثیت سے پیش کی

جارہی ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ (ش: ۲۰۰۰ء) مسلمانوں کو اس فتنہ ناصبیت و یزیدیت کی ملمع سازی اور اس کے وبال سے یوں آگاہ اور خبردار فرماتے ہیں :

''ماضی قریب میں اس جہالت مآب خودرائی کی ایک مثال محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' اور ''تحقیق مزید بر خلافت یزید'' تھی، جو مودودی صاحب کی تشیع آمیز کتاب ''خلافت وملوکیت'' کے ردعمل کے طور پر لکھی گئی، اور جس میں اَسلاف کی تحقیقات کو غلط قرار دیتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بمقابلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے، اور یزید کی بمقابلہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے برتری ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی گئی۔ یہ تشیع کے مقابلہ میں عباسی کی ناصبی تحریک تھی جس نے بعد میں بہت سے داعی پیدا کر لیے، ان میں سے اکثر ملحد، بے دین اور منکر حدیث ہیں، جن کا اصل حدف اَکابر اُمت کا استہزاء اور اَحادیث نبویہ کی تضحیک ہے، امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سبطین شہیدین رضی اللہ عنہما اور اَکابر و اَعاظم اَہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے حق میں سوقیانہ دل آزاری ان کا محبوب مشغلہ ہے، جو مسخ قلوب اور سلب ایمان کی علامت ہے۔'' (گمراہ کن عقائد ونظریات اور صراطِ مستقیم ص: ۲۶۷۔۲۶۸)

اکابر اہل السنّت والجماعت دیوبند نے جس طرح محمود احمد عباسی کے گمراہ کن اور باطل نظریات کا رد اور اُس سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے اس کی تفصیل کے لیے کئی دفتر درکار ہیں اس میں سے نمونہ کی چند مندرجہ بالا عبارات پیش قارئین ہیں۔ ایسی زہرناک کتاب کو بعض جہال، مفاد پرست اور ناقابت اندیش جن کے دل دماغ میں ناصبیت و یزیدیت کے کالے بچھو مسلسل ڈنگ مارتے رہتے ہیں اور جن کے سینے صحابہؓ و اہل بیتؓ کے بغض وعناد

کے ناسور سے بھرے پڑے ہیں ایسے ہی محروم القسمت اور بدبخت لوگ اس کتاب کو اپنی حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں۔ اور اسکو تحقیق کا معیار قرار دیتے ہیں، اور اس کے مقابلے میں اپنے اکابر پر زبان درازی اور ان پر عدم اعتماد کرتے ہیں جس طرح خود گمراہ ہو چکے ہیں اب سیدھے سادھے مسلمانوں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں، اللہ پاک ان کو ہدایت نصیب فرمائے اور سارے مسلمانوں کو ان کے شر اور شرارتوں سے محفوظ فرمائے۔ خواجہ شیرازی اس بات کو یوں کہتے ہیں :

ترا ز کنگرۂ عرش می زنند صفیر
ندانمت کہ دریں دامگہ چہ افتاد ست

(تجھے عرش کی بلندیوں سے آوازیں دی جارہی ہیں مجھے معلوم نہیں تو اس جال (گمراہی) میں کیوں پھنس کر رہ گیا ہے۔)

مقام حیرت کہ ہمیں اپنی صفوں میں گھسا ہوا ناصبیت اور یزیدیت کا گھناؤنا فتنہ کیوں نظر نہیں آتا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس فتنہ کو بھی پہچانیں، اور جہاں ہم رافضیت کا تعاقب کرتے ہیں وہیں ناصبیت اور یزیدیت کی بیخ کنی کے لیے بھی کوشاں ہو جائے، کیونکہ چھپا ہوا دشمن ظاہری دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور یہ ناصبی اور یزیدی لوگ تو دیوبندیت کے علمبردار بن کے مسلکِ دیوبند کی جڑیں کاٹ رہیں ہیں ان کے مکر سے خود بھی بچنا اور دوسروں کو بھی بچانا آج کے دور کا اہم فریضہ ہے۔ یزید اور اُس کے اعوان وانصار جو کہ دشمنِ صحابہؓ واہلِ بیتؓ ہیں ان کے کردار سے آگاہی کے لئے ہمیں اپنے اکابر کی تحریرات اور تحقیقات کا مطالعہ اور اُن پر اعتماد کرنا چاہیے، نہ کہ دین اور اکابر سے بیزار بدباطن اور کور باطن لوگوں کی جھوٹی اور ابلہ فریبی سے آلودہ تحقیقات سے متاثر ہونا چاہیے۔

محمود احمد عباسی کے دجل وفریب سے بُنے اس گمراہی کے جال پر ایک اور کاری ضرب فقیہ العصر حضرت مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب ہے جس کی پہلی مرتبہ

اشاعت کا شرف بھی اللہ پاک کی توفیق سے ''شاہ نفیسؒ اکادمی'' کو حاصل ہو رہا ہے اس کی توجہ دلانے، اجازت مرحمت فرمانے اور اس کتاب پر مقدمہ لکھ کر ہماری حوصلہ افزائی فرمانے پر ہم حضرت مفتی عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم کے دل و جان سے مشکور ہیں۔ کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے عنوان سے محمود احمد عباسی کے کردار اور اُفکار پر مشتمل چند تحریروں کا بھی اضافہ کیا گیا ہے تا کہ اس فتنہ پرداز آدمی کا اصل کردار، اسلام کے خلاف اس کی سازشانہ ذہنیت اور اصل حقیقت لوگوں پر آشکارا ہو جائے اور لوگ اس مکروہ الفطرت اور ابن سباء کے حقیقی جانشین کے تصنیفی دام تزویر کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔ اللہ پاک سے دست بدُعا ہیں کہ ہماری دوسری مطبوعات کی طرح اس کو بھی عقائد کی اصلاح اور درستگی کا ذریعہ بنائے، اور یہ تمام کاوشیں ہمارے پیرومرشد حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہٗ کی صحبت، تربیت اور توجہات عالیہ کے ثمراتِ دلنواز ہیں اللہ پاک اُنہیں اپنی شایانِ شان انوار و برکات سے مالا مال فرمائے۔ آمین

ہم اس کتاب کی اشاعت میں تعاون کے سلسلہ میں حضرت قاری شرافت اللہ پانی پتی، حضرت مولانا عبدالحفیظ ظفر، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ثانی، صاحبزادہ سید زید الحسینی شاہ، محمد عرفان شجاع، مولانا محمد عابد، مفتی سید علی رضا جعفری، مفتی شعیب احمد، مفتی عبدالرحمٰن نذر، رانا جاوید، رانا پرویز (ریحان اختر)، رانا نعیم، رانا بابر، چودھری منصور صادق، محسن خواجہ، میاں سعید، میاں نعیم صاحبان اور ''حلقہء احبابِ نفیس'' کے تمام کرم فرماؤں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور اللہ پاک سے دُعا کرتے ہیں کہ ہماری اس عاجزانہ کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، ہم سب کو دارین کی کامیابی اور آخرت میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے۔ (آمین یا رب العالمین)

خاکپائے شاہ نفیس الحسینی رحمہ اللہ

احقر رضوان نفیس

۱۵ رشعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

تائید

حضرت مولانا علامہ مفتی عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ

حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

محمود احمد عباسی امروہی نے جب دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آڑ میں خلیفہ راشد سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر بے جا اعتراضات کیے، تو حضرات علماءِ اہل السنۃ نے بروقت ان کے باطل نظریات کا تعاقب کیا، تحریر وتقریر کے ذریعہ ان کے نام نہاد دلائل کے جوابات دیے اور حضرات اہلِ بیت کرام کا دفاع کیا، احقر کے والد ماجد نے بھی اس خارجی فتنہ کے رد میں ''محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ'' کے نام سے کتاب تحریر فرمائی۔ احقر کو خوب یاد ہے کہ ساہی وال کے علاقہ میں ایک جلسہ میں تقریر کے بعد حضرت علامہ تونسوی صاحبؒ جامعہ حقانیہ تشریف لائے تو حضرت والد صاحب نے انہیں اپنی یہ کتاب سنائی، حضرت علامہ صاحب نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے کتاب کو سنا اور حضرت والد صاحب کو فرمایا:

> حضرت ہمیں آپ کی تحریر سے حرف بحرف اتفاق ہے، ہم پکے سُنّی اور دیوبندی ہیں، یزید اور اس کی جماعت اور خارجیوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق سمجھتے ہیں، محمود احمد عباسی کی تحقیق غلط ہے، آپ نے اس کی تردید میں جو کچھ لکھا ہے وہ حق اور صحیح ہے۔

(مجلہ الحقانیہ: ص،۹۔ ربیع الاول، ۱۴۳۴ھ/ فروری، ۲۰۱۳ء)

مقدمہ

حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ :

حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة كلهم فى النار الا ملة واحدة، قالوا: من هي يا رسول الله ؟ قال: ماا نا عليه واصحابی"۔(ترمذی)

اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ اس امت میں بہت سے فرقے ہوں گے اور سب جہنمی ہوں گے، سوائے ایک جماعت اور طائفہ کے، وہ جنتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب آپ سے اس ناجی جماعت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے "ما انا علیہ واصحابی" فرما کر اس کی نشان دہی فرمادی۔ پتہ چلا کہ اہل السنۃ والجماعۃ جنتی جماعت اور طائفہ ناجیہ ہے۔ اس جماعتِ حقہ کے عقائد ونظریات حق وسچ اور قرآن وسنت کے عین مطابق ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھی جائے۔ جو شخص صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ اطہار میں سے کسی سے محبت نہ رکھتا ہو وہ سنی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ صحابہ کرام یا اہلِ بیتِ عظام میں سے کسی سے بھی عداوت اور

دشمنی رکھنے والا شخص رافضی یا خارجی ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی دیگر صحابہ کرام پر فضیلت، حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ، اور اہل بیت میں سے سیدنا حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے محبت کو اہل السنۃ کی علامات اور شعائر میں قرار دیا گیا ہے۔

آیتِ قرآنی: قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ (پ ۲۵ شوریٰ)۔ کی تفسیر لکھنے کے بعد ''آلِ رسول ﷺ کی تعظیم ومحبت کا مسئلہ'' کے عنوان سے حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ آیتِ مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی خدمت کے معاوضہ میں قوم سے اپنی اولاد کی محبت وعظمت کے لئے کوئی درخواست نہیں کی۔ اس کے یہ معنیٰ کسی کے نزدیک نہیں کہ اپنی جگہ آلِ رسولِ مقبول ﷺ کی محبت وعظمت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ایسا خیال کوئی بد بخت گمراہ ہی کر سکتا ہے۔ حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ومحبت کا ساری کائنات سے زائد ہونا جزوِ ایمان بلکہ مدارِ ایمان ہے اور اس کے لئے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبت قریبہ رسول اللہ ﷺ سے ہے، اس کی تعظیم ومحبت بھی اسی پیمانے سے واجب ولازم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ انسان کی صلبی اولاد کو سب سے زیادہ نسبتِ قربت حاصل ہے۔ اس لئے ان کی محبت بلاشبہ جزوِ ایمان ہے۔ مگر اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ ازواجِ مطہرات اور دوسرے صحابہ کرام جن کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ متعدد قسم کی نسبتیں قربت اور قرابت کی حاصل ہیں ان کو فراموش کر دیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حبِ اہلِ بیت وآلِ رسول ﷺ کا مسئلہ امت میں کبھی بھی زیرِ

اختلاف نہیں رہا۔ باجماع واتفاق ان کی محبت وعظمت لازم ہے۔ اختلاف وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دوسروں کی عظمتوں پر حملہ کیا جاتا ہے۔ ورنہ آلِ رسول ﷺ ہونے کی حیثیت سے عام سادات خواہ ان کا سلسلۂ نسب کتنا ہی بعید بھی ہو، ان کی محبت وعظمت عین سعادت واجر وثواب ہے۔ اور چونکہ بہت سے لوگ اس میں کوتاہی برتنے لگے اس لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے چند اشعار میں اس کی سخت مذمت فرمائی۔ وہ اشعار یہ ہیں اور درحقیقت یہی امت کا مسلم ومذہب ہے ۔

یاراکباقف بالمحصب من منی　　واهتف بساکن خیفها والناهض

سحراً اذافاض الحجیج الی منی　　فیضا کملتطم الفرات الفائض

ان کان رفضا حب آل محمد　　فلیشهد الثقلان انی رافضی

اے شہسوار! منیٰ کی وادی محصب کے قریب رک جاؤ اور جب صبح کے وقت عازمینِ حج کا سیلاب ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کی طرح منیٰ کی طرف روانہ ہوتو اس علاقہ کے ہر باشندے اور ہر راہرو کو پکار کر کہدو کہ اگر صرف آلِ محمد ﷺ کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو اس کائنات کے تمام جنات و انسان گواہ رہیں کہ میں بھی رافضی ہوں۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۶۹۲)

حضراتِ صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کے بارہ میں اہلِ حق اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ یوں رقم طراز ہیں:

ونشهد بالجنة والخير للعشرة المبشرة وفاطمة و خديجة وعائشة والحسن والحسين رضی الله عنهم ونوقرهم ونعترف بعظم محلهم فی الاسلام و كذالک أهل بدر واهل بيعة الرضوان وابو بكر الصديق امام

حق بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللّٰہ عنہم ثم تمت الخلافۃ وبعدہ ملک عضوض۔ وابو بکر رضی اللّٰہ عنہ افضل الناس بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم عمر ۔۔۔۔۔ ونکف السنتنا عن ذکر الصحابۃ الا بخیر وھم ائمتنا وقادتنا فی الدین وسبھم حرام وتعظیمھم واجب۔

(ناصبی سازش ص ۲۸ بحوالہ تفہیماتِ الٰہیہ ج نمبر ۲۔ص۔۱۲۸)

ترجمہ: اور ہم حضرات عشرہ مبشرہ حضرتِ فاطمہ حضرتِ خدیجہ حضرتِ عائشہ حضرتِ حسن حضرتِ حسین رضی اللہ عنہم ان سب حضرات کے حق میں ان کے جنتی ہونے کی اور برگزیدہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ان کی توقیر کرتے ہیں اور اسلام میں جوان حضرات کا بڑا درجہ ہے اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور اسی طرح سے ان حضرات کے بارہ میں بھی کہ جو غزوۂ بدر اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔ اور آنحضرت علیہ السلام کے بعد خلیفۂ برحق حضرت ابوبکر صدیق تھے پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم پھر خلافتِ نبوت کی مدت ختم ہوگئی اور اس کے بعد کاٹ کھانے والی بادشاہی کا دور شروع ہوا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ہیں اور پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں بجز ذکرِ خیر کے ہم اپنی زبانیں بند رکھیں گے وہ دین میں ہمارے پیشوا اور مقتدا ہیں ان کو برا کہنا حرام ہے اور ان کی تعظیم کرنا واجب ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نوّر اللہ مرقدہ محبت اہلِ بیت عظام رضی اللہ عنہم کی اہمیت سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

”بر سر اصل سخن برویم چگونہ عدم محبت اہلِ بیت در حق

اهلِ سنّت گمان برده شود که آں محبت نزد آں بزرگواراں جزو ایمان است و سلامتئ خاتمه را برسوخ آں محبت مربوط ساخته اند۔ والد بزرگوار ایں فقیر که عالم بودند بعلمِ ظاهری و بعلمِ باطنی در اکثر اوقات ترغیب بمحبت اهل بیتِ می فرمودند ومی فرمودند که ایں محبتے را در سلامتی خاتمه مدخلے است عظیم نیت رعایت آں باید نمود در مرض موتِ ایشاں ایں فقیر حاضر بود چوں معامله ایشاں بیادِ ایشاں داد و ازاں محبت استفسار نمود در آن بیخودی فرمو دند که غرقِ محبت اهلِ بیتم شکر خداوند عزّ و جل درآں وقت بجا آورده شد۔

محبتِ اهلِ بیت سرمایه اهلِ سنّت مخالفاں ازیں معنیٰ غافل اند و از محبت متوسط ایشاں جاهل جانب افراط را خود اختیار کرده اند وماوراء افراط راتفریط انگاشته حکم بخروج نموده اند ومذهب خوارج انگاشته اند ندانسته اند که میاں افراط و تفریط حدے است وسط که مرکز حق است و موطن صدق که نصیب اهلِ سنّت گشته است شکرَ الله سعیهم۔

(مکتوبات امام ربانی حصۂ ششم دفتر دوم مکتوب ۳۶ ص ۷۷)

وحضرت امام حسن افضل ست از امام حسین رضی اللہ عنہما و علماء اهلِ سنت در علم و اجتهاد حضرت عائشه را رضی اللّٰه عنها بر حضرت فاطمه رضی اللہ عنہا فضیلت میدهند حضرت شخ عبدالقادر جیلانی قدس سرّه در کتاب غنیه حضرت عائشه را تقدیم

میدھد وآنچه معتقد این فقیر است آن است که حضرت عائشه
در علم و اجتهاد پیش قدم است و حضرت فاطمه در زهد و تقوٰی
و انقطاع پیش او لهذا حضرت فاطمه را بتول می گفتند که
صیغۂ مبالغه ست در انقطاع و حضرت عائشه مرجع فتاوٰیٔ
صحابه بوده است رضی اللہ عنہم هیچ مشکلے در علم بر اصحاب پیغمبر
علیه و علیهم الصلوٰة والتسلیمات پیش نمی آمد مر آنکه حل
آن نزد عائشه بود رضی اللہ عنہا۔ (مکتوبات دفتر دوم ص۹۴ مکتوب ۶۷)

اس عبارت میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے والد گرامی حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ جو قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے بیعت اور آپ کے جانشین حضرت خواجہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے کا موقف اہلِ بیت کرام کے متعلق واضح ہے۔

یہ عبارت چونکہ فارسی میں ہے اردو خواں حضرات کی سہولت کے لے ہم کتاب تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی سے اس کا اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم

اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہلِ بیت کی محبت کا نہ ہونا اہلِ سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جا سکتا ہے جب کہ یہ محبت ان بزرگواران کے نزدیک ایمان کا جزو ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے۔ اس فقیر کے والد بزرگوار جو کہ ظاہری و باطنی علوم کے عالم تھے اکثر اوقات اہلِ بیت کی محبت کے لئے ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو خاتمہ کی سلامتی میں بڑا دخل ہے اس کی بڑی رعایت کرنی چاہئے۔ ان کے مرض الموت میں یہ فقیر حاضر تھا جب ان کا معاملہ انجام کو پہونچا اور اس جہاں کو شعور کم ہو گیا تو اس وقت اِس فقیر نے ان

کی بات (محبت اہلِ بیت) کو انہیں یاد دلایا اور اس محبت کے بارہ میں ان سے دریافت کیا تو اس بے خودی کے عالم میں انہوں نے فرمایا کہ میں اہلِ بیت کی محبت میں غرق ہوں اس وقت میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا۔

اہلِ بیت کی محبت اہلِ سنت والجماعت کا سرمایہ ہے۔ مخالف لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور ان کی محبت متوسط سے جاہل ہیں۔ مخالفوں نے اپنی افراط کی جانب کو اختیار کیا ہے اور افراط کے سوا کو تفریط خیال کر کے خروج کا حکم کیا ہے اور خوارج کا مذہب سمجھا ہے۔ نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان حد وسط ہے جو حق کا مرکز اور صدق کا موطن ہے جو اہلِ سنت والجماعت شکر اللہ سعیھم کو نصیب ہوا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا و حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی فضیلت

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ علماء اہلِ سنت والجماعت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو علم و اجتہاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دیتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں حضرت عائشہ (۱) رضی اللہ عنہا کو مقدم سمجھتے ہیں۔ لیکن فقیر کا جو اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم و اجتہاد میں پیش قدم ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتول کہتے ہیں۔ جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اصحابِ کرام کے فتاوٰی کا مرجع تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلاۃ

---

(۱) حضرت مؤلف تذکرہ مجدد الف ثانی نے یہاں ترجمہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام مبارک لکھا ہے جبکہ اصل فارسی مکتوب گرامی میں جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی ہے۔ اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے ہم نے اصل کے مطابق یہی نام ترجمہ میں لکھ دیا ہے فافھم۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ منہ

والسلام کے اصحابِ کرام کو علم میں جو مشکل پیش آتی تھی حضرت عائشہ کی خدمت میں اس کا حل طلب کرتے تھے۔ (تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی ص۔۵۳۱)

صحابہ کرام اور اہلِ بیت عِظام رضی اللہ عنہم سے متعلق اھل السنۃ والجماعۃ کا یہی موقف ہے جو قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔ لیکن اس کے برخلاف روافض نے حب اہلِ بیت کی آڑ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مورد طعن ٹھہرایا، ان پر سب وشتم اور لعنت کو جائز قرار دے دیا۔

دوسری طرف خوارج نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع کے نام پر حضرات اہلِ بیتِ عِظام (جن کی عظمت ومحبت ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے) کے حق میں سخت کوتاہی کی اور ان کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ یہ دونوں گروہ یقیناً حق سے دور اور اھل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہیں۔ اہلِ سنت والجماعت کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن فتنوں کے اس دور میں خارجیت، سبائیت، رافضیت مختلف شکل وصورت اختیار کر کے مسلمانوں کو راہِ اعتدال اور صراطِ مستقیم سے برگشتہ کرنے کی پوری کوشش میں مصروف ہے۔ چنانچہ ماضی قریب میں جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بانی جماعتِ اسلامی اور جناب محمود احمد عباسی صاحب مؤلف کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' نے اپنے اپنے انداز میں اس فریضہ کو ادا کر کے خارجیت اور رافضیت کی ترجمانی کی ہے۔

حق تعالیٰ بہت بہت جزاء خیر دے ان علماء حق کو جنہوں نے ہر دور میں باطل عقائد ونظریات کا رد کیا اور احقاقِ حق کا فریضہ بحسن وخوبی ادا کر کے مسلک اھل السنۃ والجماعۃ کی ترجمانی کا حق ادا کیا اور اھل السنۃ والجماعۃ کے متفقہ مسلک کے خلاف لکھے جانے والے افکار نظریات کا رد فرمایا۔ شکر اللّٰہ مساعیھم الجمیلۃ وجزاھم اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

کتاب ھٰذا ''محمود احمد عباسی کے نظریات پر تحقیقی نظر'' بھی اسی سنہری سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں اگرچہ مودودی صاحب کے نظریات پر بھی رد

کیا گیا ہے لیکن وہ صرف ضمناً وتمہیداً ہے۔ اصل مقصود محمود احمد عباسی امروہی صاحب کے غلط و باطل نظریات کا رد ہے۔ مودودی صاحب کے افکار ونظریات پر رد کے لئے قارئین حضرت والدِ گرامی رحمہ اللہ کا مستقل رسالہ ''ابوالاعلیٰ مودودی کے نظریات پر تحقیقی نظر'' ملاحظہ فرمائیں۔

محمود احمد عباسی امروہی نے جب اپنے باطل نظریات کی نشر واشاعت کے لئے کتاب ''خلافتِ معاویہ ویزید'' شائع کی جس میں حضرات اہلِ بیت عظام رضی اللہ عنہم پر بے جا اعتراضات اوران کی شان اقدس میں گستاخی کی گئی ہے تو حضراتِ علماء کرام نے بروقت اس کی تردید فرمائی۔ حضرت والد ماجد فقیہ العصر یادگارِ اسلاف مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اپنے خاص ذوق اور مسلک اعتدال کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ کتاب تحریر فرمائی۔ اور کتاب ''خلافتِ معاویہ ویزید'' میں مؤلفِ کتاب امروہی صاحب نے اہلِ بیت حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللّٰہ وجہہ اور سیدۃ نساء اھل الجنۃ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نیز سیّدنا حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی منقصت اور یزید کے دفاع اور منقبت بیان کرتے ہوئے خارجیت کی جو ترجمانی کی ہے، حضرت والد گرامی قدس سرہ نے دلائل و براہین کی روشنی میں اس کا رد فرما کر امروہی صاحب کے دلائل کی حقیقت کو واضح فرما دیا ہے۔ اس ضمن میں اگرچہ فسقِ یزید کے مسئلہ پر بھی بحث کی گئی ہے لیکن اس مسئلہ پر حضرت رحمہ اللہ نے ایک مستقل رسالہ تحریری فرمایا ہے جو ''فسقِ یزید'' کے نام سے مکرمی جناب رضوان نفیس صاحب بار بار شائع فرما رہے ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ کی مزید تفصیلات اس رسالہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

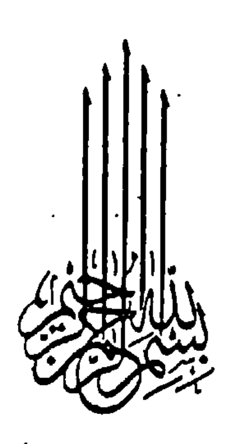
کتاب ھٰذا حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے آج سے پینتالیس سال قبل ۱۹۶۷ء میں تحریر فرمائی دی تھی لیکن طباعت واشاعت کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے شائع نہ ہوسکی۔ گزشتہ سال ''مجلہ الحقانیہ ساہیوال سرگودھا'' میں پہلی بار قسط وار شائع ہوئی۔ احقر کا عرصہ سے خیال تھا کہ مستقلاً بھی اس کی اشاعت ہوجائے۔ حال ہی میں حضرت اقدس سیّد

نفیس الحسینی رحمہ اللہ کے خادم خاص وخلیفہ مجاز محب محترم جناب میاں رضوان نفیس صاحب زید مجدھم سے اس کا ذکر آیا تو انہوں نے بڑے شوق اور محبت سے اس کی اشاعت کی ذمہ داری لی اور ساتھ ہی احقر سے بطورِ ابتدائیہ کچھ لکھنے کی فرمائش بھی کی۔ چنانچہ احقر نے یہ چند سطور ان ہی کی فرمائش پر لکھی ہیں۔ دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ جنابِ محترم رضوان نفیس صاحب کو اپنے مشن میں مزید در مزید ترقی عطا فرمائیں اور اس کتاب کی طباعت پر جزائے خیر سے نوازیں۔ نیز دفاعِ صحابہ کرام واہلِ بیت عظام کی ان کاوشوں کو حق تعالیٰ قبول فرمائیں اور گم گشتگانِ راہِ ہدایت کے لئے ہدایت کا سبب بنائیں آمین۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

خادم دارالافتاء جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۲۵/ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ



تقریظ

حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ

فاضل جامعہ مظاہر علوم سہارنپور
وبانی مدرسہ اشرفیہ سکھر

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم:

میرے قدیمی محسن وکرم فرما مولانا سید عبدالشکور صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ ساتھ پرہیزگاری اور تقویٰ کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا ہے اور ''تجدد پسند'' اور محرفین کے کید ومکر کی گرفت کرنے کی صلاحیت سے بھی حصہ وافر عطا ہوا ہے، مولانا موصوف نے ''خلافت معاویہ ویزید'' کے مصنف کے مغالطات کو واضح کرنے کی ابتدائی سعی فرمائی ہے۔

یہ مقالہ مختصر ہونے کے باوجود اصولاً جامع ہے، جس سے ''تحقیق وریسرچ'' کے نام پر کام کرنے والے متجددین کی تلبیسات کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔

ہمارے ملک میں مختلف حضرات نے یہ بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ وہ دین اور تاریخ کے مسلمات کو بھی تحقیق وریسرچ کے نام سے مجروح کر دینے اور عوام کو اسلاف سے کاٹ کر دین کی قطع وبرید کے زہر ہلاہل کو ان کے گلے سے اتار دیں۔

اگر تحقیق و ریسرچ کا نام نہ دیا جاتا تو امت مسلمہ ان کی تحریفات و تلبیسات کو برداشت نہ کرسکتی۔ مگر ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے اپنا حاصل مطالعہ بنا کر جب کسی بات کو عوام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ چونکہ ان کے اندرونی زہریلے اثرات سے واقف نہیں ہوتے اس لیے شکار کرنے والوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ملک کے متجددین نے یہ طریقہ اپنے غیر ملکی اساتذہ اور آقاؤں (مستشرقین یورپ) سے سیکھا ہے اور تیرہ سو سالہ مسلمات کو مشکوک بنا کر پیش کرنا ہی ان کا منتہائے نظر ہے۔ اور مسلمانوں کو اپنے ماضی سے کاٹ کر الحاد و بے دینی کی راہ پر لگا دینا چاہتے ہیں۔

بڑے سے بڑے محدث کو بھی مطعون کرنے میں باک نہیں کرتے۔ صحیح سے صحیح حدیث کو بھی جعلی اور من گھڑت کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں، یہ سب کچھ ایک سمجھی بوجھی سکیم اور خصوصی حلقۂ فکر و نظر پیدا کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔

ضرورت ہے کہ اس قسم کے حضرات کے لٹریچر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے اور ان کی جملہ تلبیسات کو طشت ازبام کیا جائے تا کہ آنے والی امت ان کے مکروفن سے واقف ہو سکے اور امت اسلامیہ ان کے سنہری جال میں نہ آسکے۔

دین پسند اہل قلم اور علماء امت سے مخلصانہ استدعاء ہے کہ وہ اس فتنہ کے انسداد کے لیے ابھی سے کوئی متفقہ پروگرام بنائیں کہ ابھی تو اس فتنہ کی ابتداء ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ پانی سر سے گزر جائے اور بعد میں ہم کو خدا کے حضور جواب دہی کرنا پڑے۔

محمد احمد تھانوی

مہتمم مدرسہ اشرفیہ سکھر

حال وارد سرگودھا

۱۴/اکتوبر ۶۸ء

مختصر حالات

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
فاضل دارالعلوم دیوبند بانی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت موضع اڑدن ریاست پٹیالہ ہندوستان میں ۱۱ ررجب المرجب ۱۳۴۱ھ بمطابق مارچ ۱۹۲۳ء کو ہوئی ،عبدالشکور آپ کا نام رکھا گیا بعد میں تاریخی نام مرغوب النبی نکالا گیا۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے قاعدہ مدرسہ معین الاسلام قصبہ نوح ضلع گڑگانواں میوات کے علاقہ میں پڑھا، یہ مدرسہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ نے بنایا تھا، ابتدائی نوشت وخواند کے بعد اردو، ناظرہ قرآن پاک ،حساب کی تعلیم مدرسہ امدادالعلوم تھانہ بھون میں ہوئی اور قرآن کریم اسی مدرسہ میں خلیفہ حافظ اعجاز احمد تھانوی رحمہ اللہ سے حفظ کیا۔

سفر حجاز:

حفظ کے بعد فارسی کتب والد ماجد حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمہ اللہ سے پڑھیں، پھر جب ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۸ء میں والد ماجد حج کے لیے حجاز تشریف لے گئے تو آپ بھی ہمراہ تھے، آٹھ ماہ آپ کا قیام مدینہ منورہ میں ہوا، وہاں آپ نے ابتدائی عربی کتب

والد ماجد سے پڑھنے کے علاوہ حضرت قاری اسعد صاحب رحمہ اللہ وغیرہ سے قرآن کریم کی مشق کی اور کتب تجوید پڑھیں، شیخ القراء قاری حسن شاعر رحمہ اللہ مسجد نبوی میں مقدمۂ جزریہ پڑھاتے تھے آپ اس میں بھی شریک ہوتے، حجاز سے واپسی ۱۳۵۸ھ بمطابق ۱۹۳۹ء میں دوسرے حج کے بعد ہوئی۔

عربی تعلیم:

حجاز سے واپسی پر قصبہ راج پورہ ریاست پٹیالہ کے عربی مدرسہ میں مولانا سمیع اللہ خان رحمہ اللہ برادر حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان رحمہ اللہ سے ابتدائی عربی کتابیں پھر انبالہ چھاؤنی کے مدرسہ معین الاسلام میں مولانا محمد متین رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد مبین رحمہ اللہ صاحب سے کتب عربیہ متوسطہ پڑھیں۔

سبعہ قراءات مع ثلاثہ:

انبالہ چھاؤنی کے زمانہ تعلیم میں شاطبیہ حضرت والد صاحب سے پڑھی بعد ازاں شیخ القراء مولانا قاری ابومحمد محی الاسلام عثمانی رحمہ اللہ کی خدمت میں پانی پت حاضر ہو کر حضرت مولانا موصوف کو سارا قرآن کریم بطریق جمع الجمع سنایا اور نقل بھی کیا اور شاطبیہ بھی دوبارہ پڑھی، اس کے بعد امام القراء قاری فتح محمد صاحب ضریر رحمہ اللہ سے ''الدرۃ المضیۃ'' پڑھی اور ''شاطبیہ'' کا بعض حصہ اور ''مقدمہ جزریہ'' پورا سنایا پھر بزمانہ قیام دار العلوم دیوبند حضرت قاری حفظ الرحمٰن رحمہ اللہ سے مشق کی اور ''طیبۃ النشر'' کا بعض حصہ پڑھا۔

تکمیل علوم:

پانی پت سے فراغت کے بعد آپ کے والد ماجد رحمہ اللہ نے آپ کو شاہ آباد ضلع کرنال مدرسہ حقانیہ میں اپنے پاس بلالیا اور حسامی، شرح وقایہ، ہدایہ اولین، قطبی وغیرہ کتب خود پڑھائیں، شوال ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا مگر عید الاضحیٰ کے

بعد ۱۹۴۴ء میں مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاولنگر چلے گئے اس وقت وہاں آپ کے والد محترم صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے، آپ نے جلالین والد ماجد سے اور ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ شریف، منطق کے دیگر اسباق مولانا ظہور احمد صاحب رحمہ اللہ سابق مدرس دارالعلوم دیوبند سے پڑھے، شوال ۱۳۶۳ھ میں آپ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں ہوا وہاں آپ دوسال زیر تعلیم رہے پہلے سال مطول، شرح العقائد، ملاحسن، میبذی وغیرہ کتب حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک حضرت مولانا عبدالخالق، حضرت مولانا فخرالحسن، مولانا محمد جلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ کر اگلے سال شوال ۱۳۶۴ھ بمطابق ۱۹۴۵ء میں دورۂ حدیث شریف میں داخل ہوئے اور شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء میں فراغت پائی دورۂ حدیث شریف میں ترمذی شریف حضرت مدنی قدس سرہ نے شروع کرادی تھی کہ وہ اس کے بعد تین ماہ کی رخصت پر تشریف لے گئے، آپ کی جگہ حضرت مولانا فخرالدین مرادآبادی رحمہ اللہ تقریباً تین ماہ سہ ماہی تک ترمذی شریف اور بخاری شریف کا درس دیتے رہے اس عرصہ میں ترمذی کی کتاب الصلاۃ اور بخاری شریف کی کتاب العلم ختم ہوگئی تھی پھر حضرت مدنی قدس سرہ تشریف لے آئے، آپ نے ترمذی جلد اول اور بخاری کی ہر دو جلد مکمل کرائیں ترمذی کی جلد ثانی اور شمائل ترمذی حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ نے پڑھائی مسلم، ابوداود، نسائی، طحاوی، موطا امام مالک علی الترتیب حضرت مولانا بشیر احمد گلاوٹھی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا فخرالحسن، حضرت مولانا عبدالحق، حضرت مولانا عبدالخالق رحمہم اللہ سے اور ابن ماجہ، وموطا امام محمد دیگر اساتذۂ کرام سے پڑھیں۔

تربیت باطنی وسلوک:

آپ طالب علمی کے زمانہ میں ہی بڑی پیرانی صاحبہ رحمہا اللہ کی سفارش پر حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بیعت ہوگئے تھے، چودہ سال کی عمر تک حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ کے زیر سایہ تھانہ بھون ہی میں آپ کا قیام رہا، حکیم الامت رحمہ اللہ کی

وفات کے وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی آخر تک حضرت سے تعلق رہا، جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۴ء میں مظاہر علوم سہارنپور کے جلسہ میں شرکت کے بعد آپ اپنے والد ماجد اور عم محترم جناب عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے خصوصی شفقت وعنایت کا معاملہ فرمایا اور ازخود تحریک فرما کر چچا محترم کی لڑکی سے نکاح بھی پڑھایا حضرتِ کی وفات کے بعد اصلاحی تعلق حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ سے رہا پھر حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری سے اور پھر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ سے رہا، ان کی وفات کے بعد حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ سے۔ حضرت علامہ عثمانی اور حضرت مفتی اعظم قدس سرہما نے آپ کو اجازت بیعت سے بھی نوازا۔

علمی خدمات اور ہجرت پاکستان:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے کچھ عرصہ راجپورہ ریاست پٹیالہ کے مدرسہ میں تدریس کا کام کیا، اس کے بعد مدرسہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال میں مدرس ہوگئے اور کنز، شرح جامی وغیرہ تک کتابیں پڑھائیں۔

تقسیم ملک کے بعد یکم فروری ۱۹۴۸ء کو ساہیوال ضلع سرگودھا صوبہ پنجاب میں قیام ہوا، یہاں تعلیم وتبلیغ، تصنیف وافتاء اور تدریس کی عظیم الشان خدمات انجام دیں، یہاں آپ نے پہلے مدرسہ قاسمیہ کے نام سے شہر کی قدیم مسجد شاہی میں ایک مدرسہ قائم کیا، حفظ وناظرہ کے علاوہ مشکوٰۃ تک کتابیں بھی آپ پڑھاتے رہے، ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی تحریک چلی تو تین چار ماہ آپ جیل میں رہے جس کی وجہ سے مدرسہ بند ہوگیا، پھر آپ نے ۱۹۵۵ء میں نئی جگہ پر مدرسہ حقانیہ کے نام سے دینی ادارہ کی بنیاد رکھی جو تعمیر وتعلیم کے لحاظ سے بحمداللہ خوب روبترقی ہے، اس وقت مدرسہ میں طلباء وطالبات کی تعداد سات صد سے متجاوز ہے، مقیم طلباء سو سے زائد ہیں، حفظ وناظرہ کے علاوہ طلبہ

وطالبات کے لیے درس نظامی مع دورۂ حدیث شریف کا بھی انتظام ہے، علاوہ ازیں علماء کرام اور فضلاء درس نظامی کے لیے درجہ تخصص فی الفقہ کی تعلیم کا بھی انتظام ہے جس میں انہیں دو سال تک افتاء کی تربیت دی جاتی ہے۔

۱۹۶۰ء میں مسجد حقانیہ کے نام سے آپ نے ایک عظیم مسجد کا سنگ بنیاد بھی رکھا جو اس وقت علاقہ کی بڑی مساجد میں شمار ہوتی ہے، عیدگاہ حقانیہ کی زمین اس کے علاوہ ہے جس پر عید کی نماز ادا کی جاتی ہے، مسجد زینب کے نام سے دومنزلہ جامع مسجد بھی الگ تعمیر ہو چکی ہے اس کے ساتھ جامعہ کی شاخ بھی ہے جس میں قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مزید توسیع کے لیے تقریباً ۱۲ رکنال زمین الگ بھی خرید لی گئی ہے اس میں فی الحال دو مدرس قرآن کریم کی تعلیم دے رہے ہیں، ساہیوال شاہپور روڈ پر بھی تین کنال جگہ میں مسجد اور مدرسہ کی تعمیر زیر غور ہے، مدرسۃ البنات کی عمارت اس کے علاوہ ہے جس میں دورۂ حدیث تک درس نظامی پڑھایا جاتا ہے۔

جامعہ کے شعبہ دارالافتاء سے کئی ہزار تحریری فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں جس میں تقریباً دس ہزار فتاویٰ کا ریکارڈ محفوظ ہے ان پر تحقیق وتبویب کا سلسلہ جاری ہے، آپ کے ان فتاویٰ کا نام ''امداد السائل فی الاحکام والمسائل'' رکھا گیا ہے۔

تصنیف وتالیف:

حضرت مفتی صاحب نے تصنیف وتحریر کا عظیم سلسلہ بھی بڑی محنت سے جاری رکھا اور بہت سی گرانقدر کتب تحریر فرمائیں، اس وقت آپ کی تصنیفات، رسائل مقالات ومضامین کی تعداد ۲۰۰ سے متجاوز ہے ان میں بعض تصنیفات کے نام یہ ہیں:

(۱) تکملہ احکام القرآن للشیخ محمد ادریس کاندھلوی (۲) تکملۃ احکام القرآن للعلامۃ الشیخ ظفر احمد عثمانی (۳) تتمۃ البیان فی ترجمۃ القرآن (۴) اشرف البیان فی علوم القرآن (۵) ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن (۶) تقریر ترمذی شریف (۷) خلاصۃ

الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد (۸) ادراک الفضیلۃ فی الدعاء بالوسیلۃ (۹) اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام (۱۰) شخصی ملکیت اوراسلام (۱۱) دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت (۱۲) حیات انبیاء کرام علیہم السلام (۱۳) مجموعہ فتاویٰ امداد السائل فی الاحکام والمسائل (۱۴) گاؤں میں جمعہ کا شرعی حکم (۱۵) گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مرتد کی شرعی سزا (۱۶) عورت کی سربراہی اوراسلام (۱۷) تحریک پاکستان کی شرعی حیثیت (۱۸) عقائد علماء دیوبند (۱۹) رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت (۲۰) فضائل جہاد (۲۱) تذکرۃ الظفر (۲۲) تذکرہ شیخ الاسلام حضرت مدنی (۲۳) معارف حضرت مدنی (۲۴) تذکرۃ الشیخ محمد زکریا کاندھلوی (۲۵) اشرف المعارف (۲۶) حضرت افغانی کی تفسیری خدمات (۲۷) حضرت مفتی اعظم کی تفسیری خدمات (۲۸) تاریخ مدارس دینیہ (۲۹) دینی مدارس اوران کا نصاب تعلیم (۳۰) نفاذ شریعت بل اسمبلی کی ذمہ داری اور علماء کا کردار (۳۱) ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے نظریات پرایک تحقیقی نظر (۳۲) محمود احمد عباسی کے نظریات پر تحقیقی نظر (۳۳) تفسیر ترجمان القرآن اورابوالکلام کے نظریات پرایک نظر وغیرہ۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی عظیم عبقری شخصیت اپنے دور میں اسلاف کی یادگار اور مغتنمات دہر میں سے تھی ،اللہ تعالیٰ نے آپ کوظاہر وباطن کا جامع بنایا تھا آپ نے جہاں وقت کے اکابر اولوالعلم والفضل اور نابغۂ روزگار شخصیات سے اکتساب فیض کیا وہیں وقت کے مجدد اور حکیم الامت سے فیض باطنی حاصل کرنے کی سعادت بھی پائی۔

محدث جلیل حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ صاحب اعلاء السنن، مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ، مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، فقیہ ملت حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہم جیسی عظیم ہستیوں کوآپ پر ہمیشہ اعتماد رہا، اہل علم میں آپ کی تصنیفات وتحقیقات اورارباب فتاوی میں آپ کے وقیع فتاویٰ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

مسلک دیوبند اور بطور خاص مسلک اشرفی کی ترجمانی میں آپ کو صف اول کے علماء میں شمار کیا جاتا ہے، غرضیکہ آپ کی علمی، فقہی، تصنیفی، تدریسی خدمات کے پیش نظر صرف جامعہ حقانیہ ساہیوال اور علاقہ ہی نہیں بلکہ پورے ملک میں آپ کا فیض جاری ہے، ضعف اور بیماری نیز کبرسنی کے عالم میں بھی آپ دینی خدمات بڑی تندہی سے انجام دیتے رہے۔

جامعہ حقانیہ کے علاوہ کئی دوسرے دینی مدارس کی بھی آپ سرپرستی اور اہتمام ورہنمائی فرماتے رہے، دینی ادارے اور ملک کے کئی بڑے جامعات کی شوریٰ میں بھی آپ شامل رہے۔

سانحہ وفات:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ساری زندگی دینی علمی فقہی خدمات میں گزاری اور ۵ رشوال المکرم ۱۴۲۱ھ بروز سوموار یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو انتقال فرمایا، اگلے روز آپ کا جنازہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم نے پڑھایا، ہزاروں افراد نے اس میں شرکت کی اور عصر سے قبل حقانیہ قبرستان ساہیوال سرگودھا میں آپ کی تدفین ہوئی ،نور اللہ مرقدہ سقی اللہ ثراہ وجعل الجنة مثواہ ومأواہ، آمین۔

حضرت اقدس رحمہ اللہ کے بالواسطہ اور بلاواسطہ ہزاروں تلامذہ، مدارس اور آپ کی وقیع علمی تصنیفات وفتاویٰ آپ کے لیے بہترین صدقہ جاریہ اور باقیات صالحات ہیں، بطور خاص مدرسہ جامعہ حقانیہ، جامع مسجد حقانیہ، عیدگاہ حقانیہ آپ کی عظیم یادگار ہیں، حق تعالیٰ ان کو ہمیشہ قائم رکھیں اور حضرت کے درجات کو بلند فرمائیں، آمین۔

> تفصیلی حالات کے لیے کتاب ”حیات ترمذی“ مؤلفہ مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب مدظلہم مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کا مطالعہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

جدید تحقیق وریسرچ کے مذموم مقاصد :

چودہ سو سالہ قدیمی مذہب اسلام سے برگشتہ اور منحرف کرنے کا کام چونکہ اسلام کی اعتمادی شخصیتوں سے بداعتمادی پیدا کرنے کے بغیر انجام نہیں پاسکتا اور دین اسلام میں تحریفات وتلبیسات اس وقت تک برداشت نہیں کی جاسکتیں جب تک کہ مسلمانوں کا رشتہ اپنے اسلاف کے ساتھ مستحکم اور مضبوط اور سلف صالحین کے ساتھ ان کا اعتماد قائم ہے، اس لیے ہمارے ملک میں تاریخی تحقیق وریسرچ کے نام پر کام کرنے والی مختلف تحریکوں نے اپنے ذمہ یہ کام لے رکھا ہے کہ مسلمانوں کو اسلاف سے بداعتقاد بنا کر ان کا باہمی تعلق منقطع کر دیا جائے، اس کے بعد مذہبی عقائد کی تحریف اور اسلامی مسلمات کی تبدیلی کرنے کا کام بڑی آسانی کے ساتھ قابل قبول ہوسکتا ہے۔

چودہ سو سالہ مسلمات کو ''تحقیق وریسرچ'' کے نام پر مشکوک بنا کر پیش کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے اعتماد کا رشتہ ماضی کی قابل اعتماد شخصیتوں سے کاٹ کر دین میں قطع وبرید اور الحاد وبے دینی کی راہ کو ہموار کیا جائے، اسی طرح ان

مؤرخین نے اپنی نام نہاد تاریخی تحقیق کے نتیجہ میں اسلام کی معیاری شخصیتوں، صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم، کے بارہ میں بھی (جن پر اسلام کے ثبوت اور اس کی حقانیت کا انحصار ہے) اعتماد و یقین کی بنیادوں ہی کو ہلا کر رکھ دیا اور ان معتمد علیہ شخصیتوں کے بارہ میں بدظنی رکھنے والوں، روافض و خوارج، نیز منکرین حدیث بلکہ غیر مسلم ناقدین اسلام کے ہاتھ میں بھی ایک کارگر حربہ دے دیا ہے۔

یہ ایک تاریخی مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام میں جتنے بھی فرقے پیدا ہوئے ہیں اور جس نے بھی مسلمانوں میں افتراق و انتشار کا فتنہ پھیلانا چاہا ہے، فتنہ انگیزی کے ان بانیوں کو کھلم کھلا اسلام کی مخالفت کرنے کی جرأت کبھی نہیں ہو سکی بلکہ ایسے لوگوں نے ہمیشہ زیر پردۂ نفاق اسلام دوستی کے رنگ میں ہی اپنے خلاف اسلام عزائم کی تکمیل کی کوشش کی ہے اور ایسے سب لوگوں کا مشترک طور پر اس اصول پر عمل رہا ہے کہ جن مقدس ہستیوں کے واسطہ سے امت تک اسلام پہنچا ہے ان سے مسلمانوں کو بدظن اور بداعتقاد کر دیا جائے، اس لیے یہ لوگ ان پر افتراء پردازی اور بہتان تراشی سے کام لے کر ان کو مجروح اور ناقابل اعتبار قرار دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

فتنۂ سبائیت :

عبداللہ بن سبا بانی مذہب شیعہ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے بلکہ اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے جو منصوبہ بنایا تھا اس نے بھی اسی اصول پر عمل پیرا ہونے کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے سب سے مفید سمجھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص شان اور عامہ مسلمین میں ان اساطین اسلام کے متعلق بداعتقادی اور بدظنی پیدا کر کے ان کو مجروح قرار دینے کو اپنے مذہب سبائیت کی بنیادی پالیسی قرار دیا تھا۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو اسلام میں تمام اختلافات اور فتنوں کی جڑ یہی فتنہ سبائیت ہے، اس نے کبھی شیعیت کے رنگ میں ظہور کیا، اور کبھی اپنی خارجیت کی صورت میں

اپنا جلوہ دکھلایا اور ضرورت پیش آنے پر اعتزال اور باطنیت کا لبادہ اوڑھنے سے بھی اس نے گریز نہیں کیا۔ غرضیکہ ہر زمانہ میں اس نے اس صورت کو جلوہ نمائی کے لیے اختیار کیا جو اس زمانہ کے فکری ذوق اور خصوصی مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے زمانہ کے ماحول کے مطابق تھی۔

موجودہ زمانہ میں بھی ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں جنہوں نے سبائیت کو نئے لباس سے آراستہ کر کے پیش کرنے کی خدمت انجام دی ہے، اس زمرہ کے لوگوں میں سے "جناب محمود احمد عباسی اور ابوالاعلیٰ مودودی صاحبان" کی شخصیتیں خاصی معروف اور مشہور ہیں۔

اپنے پیشرو فرقہ بند لوگوں کی طرح انہوں نے بھی اپنی ذہانت وطباعی سے اندازہ کر لیا کہ سبائیت کا پرانا اسلحہ فرسودہ ہو چکا ہے اور اس کا پرانا لباس فیشن سے خارج ہو گیا ہے، نئی نسل اسے قدیم شکل میں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے ان کی فکر رسا نے زمانہ کے مطابق ایسی صورت پیش کی اور سبائیت کو جدید لباس پہنانے میں ایسا کمال دکھلایا کہ اہل سنت میں سے بعض لوگوں کے اذہان بھی اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور اس طرح شیعیت اور خارجیت کے جراثیم سنیوں میں بھی سرائیت کر گئے۔

کتاب خلافت وملوکیت :

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی "خلافت وملوکیت" نامی کتاب میں بھی یہی خدمت انجام دی ہے، موصوف نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف تاریخ کی آڑ لے کر غلط اور موضوع الزامات کا انبار جمع کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت کو مجروح اور ناقابل اعتماد قرار دینے کا سامان بڑی دیدہ ریزی اور سعی بلیغ کے بعد فراہم کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مودودی صاحب کی یہ کتاب ایک ناواقف آدمی کے دل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے بارہ میں بے اعتمادی بلکہ نفرت اور حقارت کا جذبہ پیدا کرنے والی ہے اور یہی بے اعتمادی اور تحقیر، خود گمراہی ہونے کے ساتھ بہت سی دوسری گمراہیوں کا دروازہ کھولنے کے لیے کافی ہے۔ مودودی صاحب نے اپنی اس

کتاب میں جس خوبصورتی اور سلیقہ کے ساتھ سبائیت کے تلخ زہر کو شیریں بنا کر ناواقف اہل سنت کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی ہے اگر بانی سبائیت عبداللہ بن سباء کو اس کا علم ہو جائے تو اس کی روح وجد میں آ کر رقص کرنے لگے۔ اسے دیکھ کر اس کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ موصوف نے بلاشبہ سبائیت کی وکالت کا حق خوب ہی ادا کیا ہے۔

خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بے بنیاد الزامات :

مودودی صاحب نے ''خلافت وملوکیت'' میں جہاں حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے اکابر صحابہ کرام پر الزامات لگانے کی جسارت کی ہے وہاں انہوں نے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات پر بھی بے بنیاد الزامات عائد کر کے روح سبائیت کو خوش کرنے کا سامان فراہم کیا ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی کی رائے گرامی :

حضرت تھانوی قدس سرہ نے بالکل ابتداء میں ہی مودودی صاحب کی تحریک کے بارہ میں اپنی خداداد بصیرت کی بنا پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار فرما دیا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد منظور نعمانی کے خط کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا ''یہ تحریک دل کو نہیں لگتی'' (خاتمۃ السوانح)

کتاب خلافت وملوکیت پر علماء کی تنقید:

پھر جب کہ مودودی صاحب کے افکار ونظریات منظر عام پر آنے لگے اس وقت حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور دوسرے اکابر علماء نے موصوف کی غلطیوں پر باقاعدہ تصانیف کے ذریعہ گرفت فرمائی اور فتاویٰ کی صورت میں ان کے غلط افکار ونظریات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بالخصوص خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برملا تنقیص وتوہین کا ارتکاب کرنے کے بعد تو مودودی صاحب بالکل ہی بے نقاب ہو چکے ہیں۔ اس سے

واضح ہو گیا ہے کہ موصوف کا طرز فکر اور انداز تحریر مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بالکل موافق ہے اور ان کا قلب و دماغ عظمت صحابہ سے بالکل خالی ہو چکا ہے۔

اس کتاب کے بارہ میں مختلف اہل علم نے اپنی آراء کا اظہار فرمایا اور اس پر تنقید و تبصرہ کر کے اس کے خلاف حق و تحقیق مقامات کی نشاندہی کا فرض ادا کیا۔

محدث وقت مولانا الشیخ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ شیخ الحدیث دارالعلوم ٹنڈو الہ یار نے بھی بالکل شروع میں ہی جس وقت مودودی صاحب کا یہ مضمون رسائل میں ہی شائع ہو رہا تھا اور ابھی کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا تھا اپنے ایک طویل مقالہ "براءت عثمان" میں اس کا تحقیقی جائزہ لیا اور مودودی صاحب کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عائد کردہ الزامات کی تردید فرمائی، پھر جب یہ مضمون کتابی شکل میں "خلافت وملوکیت" کے نام سے شائع ہوا تو مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری نے ایک مفصل کتاب "عادلانہ دفاع" اس کی تنقید میں تحریر کی۔ بخاری صاحب نے اس کے ذریعہ مودودی صاحب کا خوب ہی تعاقب کیا اور اس طرح اہل سنت کی طرف سے دفاع کا حق بھی اچھی طرح ادا کر دیا، جزاہم اللہ خیرا۔

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی نے "تجدید سبائیت" کے نام سے اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے پہلے اپنے ماہنامہ "البلاغ" میں مودودی صاحب کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں اور مغالطہ انگیزیوں کے جواب میں قلم اٹھایا اور موصوف کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین آمیز افکار و نظریات کا ماشاء اللہ بڑے ہی متین انداز اور مضبوط طرز استدلال کے ذریعہ تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ بعد میں یہ مضمون "حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق" کے نام سے علیحدہ کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ پر بے اعتمادی کا نتیجہ :

دین اسلام کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سیکھنے اور حاصل کرنے والے اور اس کے سب سے اول ناقل اور دوسروں تک دین کے پہنچانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

پر ہی اگر اعتماد باقی نہ رہے اور وہ نا قابل اعتبار قرار پائیں تو اس زنجیر کی پہلی کڑی ہی ٹوٹ جائے گی جو امت کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ وابستہ کرتی ہے، اور اس کے بعد تمام کڑیاں بے کار ہو جاتی ہیں اور دین اسلام کا تسلسل واتصال ختم ہو کر سرچشمہ ہدایت، قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ کا دامن امت کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

وحی ربانی اور صاحب وحی دونوں کا مشاہدہ کرنے والی جماعت کو غیر معتبر اور مجروح قرار دے کر دین اسلام کو مشکوک بنانے اور امت کو ہدایت ربانی سے محروم کرنے کے سوا اور کیا نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟

خلافت وملوکیت کا تأثر:

جو بھی ناواقف مسلمان یا غیر مسلم شخص اس کتاب کو پڑھے گا اس کے دل میں یہ تأثر قائم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر ابھی پندرہ سال کا زمانہ ہی گزرا تھا کہ ان کے جلیل القدر اور زمرہ "سابقون الاولون" کے صحابی داماد، خلیفہ راشد نے اسلام کے مقررہ نظام حکومت میں اپنے شخصی مصالح کے پیش نظر رخنہ ڈالا اور خدا اور رسول کے منشاء سے انحراف کر کے اپنی رائے کے مطابق تبدیلی کا آغاز کیا، اور ابھی چالیس سال بھی پورے نہ ہونے پائے تھے کہ دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرام نے مل کر صریحاً خدا اور رسول کے منشاء کے خلاف اسلام کے نظام حکمرانی کو تبدیل کر ڈالا۔

جس شخص کے دل میں یہ تأثر قائم ہو جائے تو کیا وہ دوسرے اصحاب رسول ﷺ کو شک وشبہ سے بالاتر سمجھ سکتا ہے؟ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں اس طرح شک وشبہ کا شکار ہو جانے کے بعد ان کے نقل کردہ اسلام کے بارے میں کیا ان حضرات کی معیاری اور اعتمادی حیثیت اس کی نظر میں باقی رہ سکتی ہے؟

ایک الزام کی حقیقت:

مودودی صاحب حضرت عثمان اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی کرتے

وقت حقیقت واقعہ سے بالکل چشم پوشی کر لیتے ہیں اور صحیح صورت حال سے آنکھیں بند کر کے الزام عائد کرتے چلے جاتے ہیں، اس کا اندازہ لگانے کے لیے مثال کے طور پر اس واقعہ کو ہی لے لیجیے جس کا تذکرہ مودودی صاحب نے حضرت عثمان پر اپنے خاندان بنوامیہ کے ساتھ بے جا مراعات کے الزام کے ثبوت میں کیا ہے کہ ''انہوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵ر لاکھ دینار) مروان کو بخش دیا'' حالانکہ اس واقعہ کی حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے اور اس حقیقت کو خود اسی مؤرخ طبری نے بھی نقل کیا ہے جس کے بکثرت حوالجات سے مودودی صاحب نے اپنی اس کتاب کو مرتب کیا ہے، لیکن معلوم نہیں اس خاص واقعہ میں انہوں نے اس کے حوالہ کو کیوں نظرانداز کر دیا۔

طبری نے ج:۳، ص، ۱۲۹، پر صاف طور پر لکھا ہے کہ ''افریقہ کے مال غنیمت کا یہ خمس ۵ر لاکھ دینار میں مروان نے خرید لیا تھا، حضرت نے اسے بخشا نہیں تھا''۔

اس واقعہ کی حقیقت تو یہ تھی کہ افریقہ کے خمس کو ۵ر لاکھ دینار میں مروان نے خرید لیا تھا مگر الزام تراشی کے لیے مودودی صاحب کو بعض راویوں کے بے جا تصرف سے مسخ شدہ اس کی یہ صورت پسند آئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو ۵ر لاکھ دینار کا خمس بے جا رعایت کے طور پر بخش دیا تھا۔

خمس غنیمت کا بطور عطیہ کے بخش دیا جانا امام وقت کے لیے جائز ہے۔ حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہم کے دور میں اس پر عمل بھی ہو چکا ہے (طبری ج ۲ ص ۳۸۴) لیکن پھر بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی مرحلہ پر بھی اس جائز مراعات سے اپنے خاندان کو بہرہ ور نہیں فرمایا یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی سرح کو افریقہ کی مہم پر یہ کہہ کر بھیجا گیا تھا کہ فتح کے بعد خمس ان کو دیا جائے گا مگر بعد میں ان کو بھی اس خمس کے بیت المال میں داخل کرنے پر راضی کر لیا تھا۔

ایسی احتیاط پر عمل کرنے کے باوجود معلوم نہیں کہ بے جا مراعات کی الزام تراشی

کس مقصد کے لیے کی جارہی ہے اور اس کے عوامل کیا ہیں؟ جب ایک صحابی رسول بالخصوص خلیفہ راشد کی شایان شان یہ واقعہ کتب تاریخ میں ملتا ہے تو پھر اسے ترک کر کے واقعہ کی اس صورت کو قبول کر لینا جس سے صحابی کی ذات ملوث و مطعون ہوتی ہے بلاشبہ انتخاب واقعات میں یک طرفہ رجحان کے بغیر ایسا طرز عمل اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

شیعیت کی ترجمانی :

امام ابن تیمیہ کی ''منہاج السنۃ'' اور شاہ عبدالعزیز کی ''تحفہ اثناء عشریہ'' وغیرہ شیعوں کے اس قسم کے الزامات کے جوابات کو تو مودودی صاحب نے یہ کہہ کر بے وزن کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ وکیل صفائی کی یک طرفہ بحث ہے اور اس طرح شیعیت کی راہ سے بہت بڑی رکاوٹ کو انہوں نے ہٹانا چاہا ہے، شیعہ صاحبان کو خوش ہونا چاہیے کہ مودودی نے ان کی ایسی امداد کی ہے اور ان پر اتنا بڑا احسان کیا ہے جسے انہیں کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

کوئی ناواقف سنی اگر شیعیت کے زہر سے متاثر ہو جائے تو یہ کتابیں اس کے لیے تریاق کا کام دے سکتی ہیں، اور کل دنیائے شیعہ ان کتابوں کے سنگین جوابات اور مدلل بحثوں کے جواب سے عاجز ہو رہی تھی لیکن مودودی صاحب نے ان کی عاجزی اور بے بسی میں دستگیری کرنا ضروری سمجھا اور ان کتابوں کو بے وزن اور غیر معتبر قرار دے کر ہدایت کا یہ دروازہ بھی بند کر دیا اور شیعی زہر کا یہ تریاق بھی اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

مودودی صاحب کا منہج تحقیق :

مودودی صاحب نے تاریخی واقعات کے انتخاب میں نہ تو قرآن مجید کی ان آیات کو پیش نظر رکھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صداقت و عدالت پر سب سے زیادہ وزنی شہادت ہیں اور نہ ان احادیث کو ہی ملحوظ رکھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بلند کرداری اور بے غرضی

پر شاہد ہیں، اور جن کی روشنی میں ہر صحابی کے عمل کی صحیح تصویر سامنے آجاتی ہے یہاں تک کہ ان واقعات سے متعلق بہت سی قدیم و مستند تاریخی کتب کو بھی، جن میں سے دوسری طرح کی روایتیں مل سکتی ہیں حوالہ اور انتخاب واقعات کے لیے دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ اس سے بڑھ کر ایک ہی کتاب میں دونوں طرح کی روایات موجود ہوتے ہوئے بھی ان کی نگاہ انتخاب ان ہی روایات پر پڑی ہے جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی کی جاسکتی تھی، کیا مودودی صاحب کے قرآن وحدیث اور کتب تاریخ سے آنکھیں بند کر کے انتخاب واقعات میں اس یک طرفہ الزام تراش رجحان اور تاریخ سازی کا نام ''تاریخی تحقیق وریسرچ'' رکھ دیا گیا ہے؟

پہلے سے قائم کردہ اپنے رجحان کے مطابق ایسی تاریخی کتابوں سے جن میں کچی پکی اور رطب ویابس ہر طرح کی روایات پائی جاتی ہیں اپنی پسند کے چند واقعات کو منتخب کر کے ان کو قابل اعتراض شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر دینے کا نام تاریخی تحقیق تو ہو نہیں سکتا البتہ اس کو تاریخ کا بگاڑ اور تاریخ نویسی کا فساد ضرور کہا جاسکتا ہے۔ جب اس آزادانہ طریقے سے جس میں صحافتی دیانت وامانت کا پاس ولحاظ بھی نہ رکھا گیا ہو مرتب کردہ تاریخی واقعات کا یہ مجموعہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دیدیا جائے گا جن کی عملی دسترس مودودی صاحب کی کتابوں اور رسائل تک ہی محدود ہے تو پھر ان کے اندر حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما جیسے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کیسے کیسے گمراہ کن خیالات پیدا ہوں گے اس کا اندازہ ہر سمجھدار آدمی آسانی سے لگا سکتا ہے۔

اہل سنت کا اصول :

اہل سنت کے اصول کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن ہی نہیں حسن عقیدت رکھنا اہل سنت کا شعار اور ان کا امتیازی نشان ہے، صحابہ کرام کی عدالت اور ان کی پاکیزگی سیرت اور بے لاگ اوصاف وکردار کی گواہی کتاب الٰہی اور زبان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے

دی ہے۔ان حضرات کے بارے میں ایسے تاریخی بیانات اور بے سروپا روایات کو جن سے ان کی سیرت وکردار پر حرف آتا ہو اور ان کی پاکیزہ اسلامی زندگی داغدار قرار پاتی ہو ہرگز قابل قبول نہیں قرار دیا جاسکتا، جس طرح انبیاء علیہم السلام کی عصمت اور پاکیزہ سیرت وکردار کے جو نقوش قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اور وہ ہمارے ایمان کا جزو قرار پاچکے ہیں، ان کے خلاف تاریخ کے بیانات پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'':

اس کتاب کے مؤلف محمود احمد عباسی صاحب نے بھی مودودی صاحب کی طرح بے لاگ تحقیق وریسرچ کی آڑ میں اہل سنت کے مسلمہ عقائد ونظریات کو بدلنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے اور بہت سے مسلمہ اسلامی عقائد، ظہور مہدی اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال وغیرہ سے بھی ان کو انکار ہے اور احادیث نبویہ صلی اللہ علی صاحبہا السلام والتحیہ کے موضوع اور جعلی ومہمل کہنے میں بھی وہ بڑے جری اور بے باک ہیں۔

اس طرح عباسی صاحب کی اس تاریخی ریسرچ کے نام پر انکار حدیث، مرزائیت، خارجیت وغیرہ بہت سے فتنوں کی پشت پناہی کا کام انجام پارہا ہے، چونکہ کسی بھی باطل فرقہ کا مقصد اسلام کی قابل اعتماد ہستیوں اور معیاری شخصیتوں پر تنقید کرکے ان کو غیر معتبر قرار دینے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اس لیے عباسی صاحب نے بھی یہی وطیرہ اختیار کیا اور اپنے مشن کی کامیابی کے لیے اہل بیت عظام کو اپنی تنقید کا ہدف بنانا ضروری سمجھا، جس طرح مودودی صاحب نے خلیفہ ثالث حضرت عثمان اور دوسرے بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی کرکے حمایت روافض کی خدمت انجام دی ہے، اسی طرح اس کے بالمقابل عباسی صاحب نے خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض اہل بیت کو اپنے تیر ونشتر اور طعن وتشنیع کے لیے منتخب کرکے تائید خوارج کا حق ادا کیا ہے۔

مسلک اہل سنت :

اہل سنت کے نزدیک حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت حقہ اور خلافت راشدہ موعودہ تھی جس طرح حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی شان میں کسی طرح کی سوء ظنی اور ان حضرات ثلاثہ کی خلافت کی حقانیت کے بارہ میں کسی قسم کا شک وشبہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا مردود اور رفض وشیعیت کا شعار ہے اسی طرح حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے بارہ میں کسی کی تنقیص کا پہلو نکالنا نا قابل برداشت اور مسلک اہل سنت سے خروج ہے۔

حضرت علیؓ کی خلافت اور عباسی صاحب کا موقف:

اہل سنت کے اس مسلک کے برعکس عباسی صاحب کا موقف یہ ہے کہ جس سے انہوں نے اپنی اس کتاب کی ابتدا کی ہے کہ حضرت علی کا خلافت قبول کر لینے کا اقدام ہی درست نہیں تھا اور صحیح طور پر ان کی خلافت کا انعقاد ہی سرے سے نہیں ہوا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "یہ بیعت چونکہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ناحق قتل کر کے سبائی گروہ نے اپنے اثر سے قائم کی تھی...... نیز قاتلین سے قصاص نہیں لیا گیا تھا جو شرعاً واجب...... تھا اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے جو مدینہ میں موجود تھی بیعت کرنے سے گریز کیا...... عظمائے ملت وارباب حل وعقد نے بیعت نہیں کی۔ (طبری ومحاضرات الخضر می، خلافت معاویہ ویزید: ص ۵۳)

اور عباسی صاحب نے اس کا ذکر کرنے کے بعد کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے (حضرت علی کو بیعت لینے سے) منع کیا اور کہا کہ "گھر میں بیٹھ رہیں یا اپنی

جاگیر ینبوع چلے جائیں" (خلافت: ص،۵۲) نیز لکھا ہے:

"مگر افسوس حضرت موصوف نے اپنے بھائی کا مشورہ قبول نہ فرمایا اور بیعت لے لی"۔ (خلافت: ص،۵۲)

عباسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کے حالات واختلافات کو ایسے انداز سے بیان کیا ہے کہ سبائی مفسدوں کے ساتھ ان کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی آپڑتی ہے، اس کے علاوہ انہوں نے یہ تأثر دینے کی بھی کوشش کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس وقت جتنے بھی مسلمان تھے وہ گویا سب کے سب سبائی تھے اور ان کے اثر سے ہی یہ خلافت قائم ہوئی تھی ارباب حل وعقد نے ان سے بیعت نہیں کی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سبائیوں کے ایک مجبور قسم کے آلہ کار تھے، چنانچہ عباسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مجبور آلہ کار ہونے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"سبائیوں کی من مانی کاروائیاں دیکھ کر کہ وہ جو چاہتے ہیں کسی نہ کسی حیلے بہانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرالیتے ہیں ان کے بعض عزیز واقارب بھی بیزار ہوگئے"۔ (خلافت ص ۵۹)

اور آگے لکھا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برادر بزرگ حضرت عقیل کی دوربین نگاہوں نے اس صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کے بھائی کے گردوپیش جو لوگ سبائی پارٹی کے ہیں وہ ملت کا بیڑا غرق کیے بغیر نہ رہیں گے"۔ (خلافت: ص،۵۹)

پھر انہیں حضرت عقیل کو صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف دوسرے کیمپ میں دکھلا کر عباسی صاحب لکھتے ہیں:

''انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ وفاداری اسی میں سمجھی تھی کہ ان کی سیاست پر جولوگ مستولی ہیں وہ اپنے کیفرکردار کو پہنچیں''۔ (خلافت:ص،۵۹)

مسلک اہل سنت سے انحراف :

خلافت راشدہ کے چوتھے ستون خلیفہ راشد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ میں عباسی صاحب کا یہ نقطہ نگاہ کہ یہ خلافت اہل حل وعقد کی بیعت سے محروم رہی اور یہ اس وجہ سے منعقد ہی نہیں ہوئی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو غلط باور کرانے کی کوشش کرنا مسلک حقہ اہل سنت والجماعت سے انحراف اور خروج کے مترادف ہے اور تاریخی حیثیت سے بھی مسئلہ کا یہ انتہائی جانبدارانہ بلکہ معاندانہ اور غیر حقیقت پسندانہ غلط جائزہ ہے، معلوم نہیں عباسی صاحب نے کن خارجی اثرات سے متاثر ہو کر حقائق سے چشم پوشی کا یہ رویہ اختیار کیا ہے؟ ایک خلیفہ راشد کی تنقیص شان میں جو انداز عباسی صاحب نے اختیار کیا ہے وہ ہرگز اہل سنت کا مسلک نہیں ہے، محمود احمد عباسی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی منقصت کا جو تصور اپنے ناظرین میں قائم کرنا چاہا ہے وہ یہ ہے کہ موصوف کی خلافت سبائی گروہ کے غلبہ اور اثر سے قائم ہوئی تھی اور وہی سبائی گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیاست پر غالب اور مستولی تھا اور جو چاہتا ان سے کروالیتا تھا، گویا حضرت موصوف سبائی گروہ کے عزائم کی تکمیل کے لیے آلہ کار تھے، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت اور ارباب حل وعقد نے ان سے بیعت نہیں کی تھی، اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ عباسی صاحب کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت شرعی طریقہ سے منعقد نہیں ہوئی تھی بلکہ سبائی گروہ کے غلبہ کا نتیجہ تھی خلافت راشدہ کے متعلق اس قسم کے تصور کی مسلک اہل سنت میں ہرگز گنجائش نہیں ہے

عباسی صاحب کی مغالطہ انگیزی :

عباسی صاحب نے ''عرض مؤلف طبع سوم'' میں بعض علیگ اور ایڈووکیٹ نیز بعض جے پوری و بدایونی احباب کی توجہ فرمائی کو لائق شکر قرار دیتے ہوئے مغالطہ انگیزی

کے لیے لکھا ہے:

''یہ سطریں لکھتے وقت ایک ایسے محبّ قوم کی یاد آ رہی ہے جو اس کتاب کے بڑے قدردان تھے اور بڑے معاون بھی یعنی سردار احمد خان پتافی مرحوم ومغفور صدر تنظیم اہل سنت جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان...... مخدوم منظور احمد شاہ (قادر پور راں ضلع ملتان) کی امداد کا جو دوسری جلد کی طباعت کے بڑے خواہش مند ہیں شکریہ واجب ہے''۔ (خلافت: ص،۳۴)

اور اس سے یہ تأثر دینا چاہا ہے کہ سردار احمد پتافی مرحوم ومغفور وغیرہ مسلک اہل سنت کے یہ خادم اور مبلغ بھی خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں عباسی صاحب کے خارجیانہ انداز فکر کے ہمنوا اور موصوف کی انتہا پسندی کو حق بجانب سمجھتے ہیں حالانکہ مسلک اہل سنت کے خلاف عباسی صاحب کے اس نظریہ کی اہل سنت کا کوئی ادنیٰ فرد بھی تائید وحمایت نہیں کر سکتا۔

ایک تائیدی رائے پر تبصرہ:

عباسی صاحب نے اپنی کتاب کی تائید میں یہ رائے بھی نقل کی ہے کہ:

''کتاب عقائد ومناظرہ کی ہرگز نہیں ہے اس کو کتاب الحرب سمجھنا یا اس کو حرب عقائد کا اکھاڑہ بنالینا نہ صرف کتاب کی روح پر بلکہ خود اپنی قوت نقد ونظر پر بھی ظلم کرنا ہے اس کا دائرہ بحث ونظر تمام تر تاریخی ہے''

(صدق جدید، خلافت: ص،۲۰)

معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں نے اس کتاب کا سرسری نظر سے مطالعہ کیا ہے اس لیے اس کی صحیح حیثیت ان پر واضح نہیں ہو سکی اور انہوں نے اس کو ایک تاریخی بحث سمجھ لیا حالانکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تنقید کرنا اور مسلک اہل سنت کے متفقہ عقیدہ خلافت راشدہ کی حقانیت کی اساس وبنیاد کو متزلزل کرنے کی کوشش کرنا اور ملت اسلامیہ کی

مقدس ہستیوں کو موردِ الزام اور ہدف مطاعن ٹھہرانا کسی طرح بھی صرف تاریخی بحث ونظر کے دائرہ میں نہیں آتا اور مسلک اہل سنت کی رو سے خلافت راشدہ پر عدم اعتماد اور تنقید کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک نظریاتی کتاب ہے اس میں عباسی صاحب نے تاریخی تحقیق وریسرچ کی آڑ لے کر عقائد اہل سنت کو مجروح کرنے کی پوری کوشش کی ہے، سطح بین لوگوں نے صرف اس کی تاریخی روایات پر نظر کی اور اس کو عقائد ومناظرہ کی کتابوں سے خارج سمجھ کر اس کے کتاب الحرب ہونے کی نفی کردی، مگر یہ ایسے لوگوں کی ظاہر بینی کا نتیجہ ہے، حقیقت بینی اور گہری نظر سے کام لیا جائے تو صاف طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ عباسی صاحب نے اس کتاب میں اپنے خاص نظریہ کے مطابق اپنی پسند کی تاریخی روایات کو جمع کر کے خارجی مکتب فکر کی ہمنوائی کی ہے اور ان کی اس تمام تر بحث ونظر میں خارجیانہ طرز فکر کام کر رہا ہے اور اس کتاب کے تاریخی ڈھانچہ اور قالب میں اس کی یہی روح پنہاں اور مستور ہے، اس لیے اس کتاب کی روح پر نقد ونظر کرنا ظلم نہیں ہے بلکہ نئی نسلوں کو اس سے متاثر ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کا شکار ہونے کے لیے چھوڑ دینا یہ اس نئی نسل پر ظلم کے مترادف ہوگا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کے خلاف پروپیگنڈا :

محمود احمد عباسی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف پروپیگنڈا کر کے ناظرین کے دلوں میں جو خارجیانہ تصورات قائم کرنے کی نامحمود کوشش کی ہے اس کو حقیقت واقعہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور یہ کہنا حقیقت پسندی کے قطعاً خلاف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سبائی گروہ کی پیداوار ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مہاجرین وانصار اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریوں کا بوجھ برداشت کرنا قبول فرمایا تھا جیسا کہ آگے آنے والی تفصیلات سے معلوم ہوگا۔

انتخاب خلافت کا ایک طریقہ مجلس شوریٰ کا قیام ہے کہ خلیفہ وقت اس معاملے کو

شرائط خلافت کی ایک جامع جماعت کے سپرد کردے کہ اس جماعت میں سے جس کو اہل مشورہ منتخب کرلیں وہی خلیفہ ہوگا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلیفہ کے لیے اسی طریقہ کو اختیار فرمایا اور درج ذیل چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس شوریٰ قائم فرمائی تھی، حضرت عثمان، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوگئے تھے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا حق سپرد کردیا تھا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنادیا تھا۔

اب منتخب ارکان میں سے صرف تین حضرات انتخاب خلافت کے حق دار رہ گئے تھے مگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی یہ فرما کر کہ میں خلافت کا خواہش مند نہیں ہوں، خود کو خلافت کے حقداروں سے علیحدہ کرلیا تھا، اس لیے اہل حل وعقد کے اجماع سے اب خلافت کے حق دار صرف حضرت عثمان اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہی رہ گئے تھے، یہ دونوں حضرات تاحین حیات خلافت کے حق دار تھے اور اب جب کبھی بھی ان سے بیعت لی جاتی اس کے وہ مستحق تھے اور ان کی بیعت وخلافت اسی مجلس شوریٰ کی منتخب شدہ خلافت قرار پائے گی۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اکثریت کی خواہش پر انتخاب خلافت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم رکھے گئے اور سب نے اس انتخاب کو قبول کیا، لیکن عبداللہ بن سباء کا گروہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعض واقعات کو غلط رنگ میں پیش کرتا رہا، آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ بلوائیوں نے مکان کا محاصرہ کرکے خلیفہ برحق کو ظلماً شہید کردیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مہاجرین اور انصار اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت لی تھی جیسا کہ ذیل کے

حوالجات سے واضح ہو رہا ہے۔

مدارس عربیہ میں داخل نصاب شرح عقائد نسفی میں ہے:

"فاجتمع كبار المهاجرين والانصار على علی رضی اللہ عنہ والتمسوا منه قبول الخلافة وبايعوه لما كان افضل اهل عصره واولهم بالخلافة"۔

(ص ۱۰۵)

پس جمع ہوئے اکابر مہاجرین اور انصار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی اور آپ سے بیعت کی کیونکہ آپ اپنے ہمعصروں میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ خلافت کے حقدار تھے۔

"شرح فقہ اکبر" میں علامہ علی قاری حنفی رحمہ اللہ نے خلافت علی کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ بھی توجہ کا محتاج ہے فرماتے ہیں:

"فعرضوا الخلافة على علی رضی اللہ عنہ فامتنع عليهم وَاعظم قتل عثمان ولزم بيته ثم عرضوها بعده على طلحة رضی الله عنه فابى ذلك وكرهه، ثم عرضوها على الزبير رضى الله عنه فامتنع ايضًا اعظاماً لقتل عثمان فلما مضت ثلثة ايام من قتله اجتمع المهاجرون والانصار وسألوا علياً وناشدوه بالله فى حفظ الاسلام وصيانة دار هجرة للنبى صلى الله تعالى عليه وعلى آله وسلم فقبلها بعد شدة وبعد ان رآه مصلحة لعلمهم وعلمه انه اعلم من بقى من الصحابة وافضلهم واولهم به فبايعوه (شرح فقہ اکبر ص ۶۷ قدیمی کتب خانہ)

انہوں نے خلافت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پیش کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ قتل کو عظیم قرار دیتے ہوئے خلافت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور گھر

میں گوشہ نشینی اختیار کرلی، پھراس کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پر پیش کیا تو انہوں نے بھی انکار کیا اور اس کو مکروہ سمجھا، پھر اس کو پیش کیا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر انہوں نے بھی قتل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ عظیمہ کی وجہ سے انکار کردیا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کو تین دن گزر گئے تو مہاجرین اور انصار نے جمع ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلافت کے قبول کرنے کی التجاء کی۔ اور انہوں نے اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالہجرت کی حفاظت اور بچاؤ کی سخت مطالبہ کے بعد اس میں مصلحت دیکھتے ہوئے اس کو قبول فرمالیا۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باقی ماندہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ علم والے سب سے افضل اور امور خلافت میں سب سے زیادہ لائق ہیں آپ سے سب نے بیعت کرلی۔

''صواعق محرقہ'' میں علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”فقال علی لیس ذٰلك الیکم انماذٰلك الٰی اهل بدرفمن رضی به اهل بدرفهوخلیفة فلم یبق احدمن اهل البدرالااتٰی علیه فقالوا لانریٰ احدااحق لهامنك فمدیدك نبایعك فبایعوه“(صواعق:ص،۷۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انتخاب خلیفہ تمہارا کام نہیں ہے، یہ کام اہل بدر کا ہے وہ جس کو منتخب کرلیں وہی خلیفہ ہے۔ اہل بدر میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس نہ آیا ہو۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے زیادہ اور کسی کو حق دار نہیں دیکھتے آپ اپنا ہاتھ پھیلائیں ہم آپ سے بیعت کریں پھر ان سب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلی۔

پیش نظر حوالجات اور ان جیسے اور بہت سے حوالوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کی اصلی صورت واقعہ سامنے آجاتی ہے اور ایک ایسا شخص جس کے دماغ

میں خارجیت کا سودا خام نہ پک رہا ہو اس حقیقت کے پالینے میں کامیاب ہوسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت بلوائیوں کے اثر سے قائم نہیں ہوئی تھی بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی منتخبہ مجلس شوریٰ کے رکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام اہل بدر اور مہاجرین وانصار نے اس وقت سب سے زیادہ افضل اور حق دار سمجھ کر ان سے بیعت کی تھی اور اس استحقاق اور اہل حل وعقد کے بیعت کر لینے سے ان کی خلافت قائم ہوئی تھی اور بلوائیوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر صاف جواب دے دیا تھا کہ انتخاب خلیفہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس شوریٰ کے ارکان میں سے اگرچہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے مگر یہ دونوں حضرات حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے حق میں پہلے سے ہی دستبردار ہو چکے تھے اس لیے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سب سے زیادہ خلافت کے حق دار تھے اور مہاجرین وانصار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت لے کر اس وقت کے سب سے زیادہ حق دار کو خلافت کا حق پہنچایا تھا۔

ان حقائق اور اصل صورت واقعیہ سے چشم پوشی کر کے عباسی صاحب کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ میں یہ پروپیگنڈا کرنا کہ ”اکثر اکابر صحابہ اور اہل حل وعقد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں لی تھی اور اس طرح یہ خلافت راشدہ قائم ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ بلوائیوں اور باغیوں کے ٹولہ کے عزائم کی تکمیل کا آلہ کار ہونے کی حیثیت سے یہ خلافت قائم ہوئی تھی“ مسلک اہل سنت کی ترجمانی نہیں بلکہ اس کو خارجیانہ ذہن کی پیداوار اور مذہب خوارج کی عکاسی اور تصویر کشی کہا جائے گا۔

اور ان کے اس ذہنی مرض خروج اور خوارج کی تائید کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں مذہب خوارج کی ترجمانی کرنے کے لیے ”خلافت سے معزولی اور شہادت“ کا عنوان قائم کر کے تحریر کیا ہے کہ:

''ثالثوں نے اتفاق رائے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت سے معزول کر کے نئے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ اہل حل وعقد کے مشورہ پر منحصر کیا'' الخ (خلافت ص ۶۳)

ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے معزولی کا نظریہ ہرگز اہل سنت کے مسلک حق کے موافق نہیں ہے یہ سب خوارج کے ہذیانات میں سے ہے۔

دوسرا پروپیگنڈا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو غیر شرعی حیثیت میں پیش کرنے کے لیے عباسی صاحب نے اپنی اس کتاب میں دوسرا پروپیگنڈا یہ کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باوجود قدرت کے قاتلین سے قصاص نہیں لیا تھا، حالانکہ ان سے قصاص لینا واجب تھا۔ لکھتے ہیں:

''قاتلین عثمان جو خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لے رہے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ باوجود قدرت کے قصاص نہ لے سکے تھے''۔ (خلافت ص ۶۲)

حالانکہ اس صورت میں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اہل سنت کے نزدیک بالکل درست اور صحیح تھا کیونکہ حالت ایسی تھی کہ قاتلین اور سازش قتل میں شریک لوگوں کا تعین شہادتوں کے ذریعہ امر مشتبہ کی حد سے آگے نہیں بڑھتا تھا اور یقینی تعین کے بغیر قصاص لینے کی کوئی صحیح صورت نہیں بن سکتی تھی، اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصاص میں تاخیر فرمائی تھی۔

حضرت ملا علی قاری حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی توجیہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ومن یری الباغی مؤاخذا بذلک فانما یجب علی الامام استیفاء ذلک منهم عند انکسار شوکتهم وتفرق منعتهم ووقوع الامن له علی

اثارة الفتنة ولم یکن شیء من هذه المعانی حاصلاً بل کانت الشوکة لهم باقیة بادیة والمنعة قائمة جاریة وعزائم القوم علی الخروج علی من طالبهم بلمه دائمة ماضیة وعند تحقق هذه الاسباب یقتضی التدبیر الصائب الاغماض منهم والاعراض عنهم۔ (شرح فقہ اکبر ص ۸۱)

اسی لیے حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم وغیرہ طالبین قصاص کا مؤقف محققین اہل سنت کے نزدیک خطاء اجتہادی پر محمول ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے بھی ''ازالۃ الخفاء'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انعقاد ثابت کرتے ہوئے طالبین قصاص کو مجتہد مخطی قرار دیا ہے اور یہی اہل سنت کا مسلک حق ہے اور حق کے بعد سوائے ضلالت اور گمراہی کے اور کیا ہے۔

لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی پر طعن کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ یہ حضرات بھی اہل اجتہاد تھے اور بروئے حدیث اجتہادی خطاء پر مواخذہ نہیں بلکہ مجتہد مخطی بھی اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ اگرچہ مجتہد مصیب دوہرے اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

''نبراس'' شرح ''شرح عقائد نسفی'' میں ہے:

"وقال اهل السنة کان الحق مع علی وان من حاربه مخطیء فی الاجتهاد فهو معذور وان کلا من الفریقین عادل صالح ولا یجوز الطعن فی احد منهم للاحادیث المشهورة فی مدح الصحابة والنهی عن سبهم وهذا هو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال"۔ (ص ۵۰۴)

اہل سنت کے نزدیک حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا ان سے جنگ کرنے والوں کے سے اجتہادی غلطی ہوئی اس لیے وہ معذور ہیں اور بے شک دونوں فریق نیک اور عادل تھے کسی پر اعتراض جائز نہیں، احادیث مشہورہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف اور ان کو برا کہنے سے ممانعت کا تقاضہ

یہی ہے، یہی حق ہے اس کے علاوہ سوائے گمراہی کے کچھ نہیں۔

"والمجمل انهم كانوا يطلبون الحق ولكن يصيب بعضهم في الاجتهاد ويخطي بعضهم والمخطي في الاجتهاد غير ماخوذ بل ماجور"۔ (۵۵۰)

خلاصہ یہ کہ یہ حضرات طالب حق تھے لیکن بعض حضرات اجتہاد میں صواب پر تھے اور بعض خطاء پر، اجتہاد میں خطاء ہونے والوں پر بھی مؤاخذہ نہیں بل کہ وہ بھی ماجور ہیں۔

حضرت علی کی خلافت راشدہ کے بارہ میں جن خیالات کا اظہار عباسی صاحب نے اپنی اس تحقیق میں کیا ہے اس کو تاریخی تحقیق کے بجائے خارجیوں کے پروپیگنڈے کا نام دینا زیبا ہے۔

اہل حل وعقد کا ان سے بیعت نہ کرنا ثالثوں کا ان کو معزول کر دینا وغیرہ نیز سبائیوں کی کاروائیوں کا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو ہی ذمہ دار قرار دینا، یہ نہ تو خلافت راشدہ کی شان ہوسکتی ہے اور نہ ہی یہ اہل سنت والجماعت کا مسلک کہلایا جاسکتا ہے، یہ صرف اہل بیت کے مخالفین اور خلافت راشدہ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں کے غلط خیالات ہیں جن کی وکالت کا حق ادا کرنے کے لیے عباسی صاحب نے اس کتاب کو تاریخی تحقیق وریسرچ کے نام پر پیش کیا ہے اور اس پوری کتاب میں عباسی صاحب کی یہی خارجیانہ ذہنیت کام کر رہی ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے بارہ میں عباسی صاحب کا رویہ :

خلیفہ راشد حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں تو آپ نے عباسی صاحب کا رویہ ملاحظہ کر لیا اب حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے بارہ میں ان کا رویہ ملاحظہ ہو۔

یزید کی مدح سرائی اور اس کے فضائل ومناقب کے بیان کرنے میں تو عباسی

صاحب ہر رطب ویابس کو قبول کر لیتے ہیں پھر نہ وہ اس کے راویوں کے عادل وثقہ ہونے کی ضرورت سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کے مفہوم ومراد کے متعین کرنے میں الفاظ کی دلالت کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ان کے خیال میں رہتی ہے، لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مدح وستائش پر وہ اس طرح چیں بجبیں نظر آتے ہیں جیسے ان کے گھر سے کچھ جارہا ہو اور دور از کار قیاس آرائیوں سے کام لے کر اس مدح وستائش کا ایک ایک حرف، حرف غلط کی طرح مٹادینے کی کوشش میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

یہ وہ اُصولی معیار ہے جس پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے معاملہ میں عباسی صاحب کی اس تحقیق وریسرچ کو جانچا جاسکتا ہے، عباسی صاحب کی یہ پوری کتاب اس دوطرفہ متضاد قسم کی انتہاپسندی سے بری طرح متاثر نظر آتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ عباسی صاحب نے یزید کے بارہ میں پہلے یہ نظریہ قائم کرلیا ہے کہ یزید ایک پرہیزگار اور متقی خلیفہ وقت تھا پھر اس نظریہ کی تائید میں جس جگہ سے بھی کچی پکی روایت سے قطع نظر یزید کی تعریف ومنقبت میں کوئی جملہ ان کو نظر آیا انہوں نے اسے غنیمت سمجھ کر حاصل کرلیا اور اسی عبارت میں جو جو جملے ایسے نظر آئے جن سے اس کی منقصت اور ہجو کا پہلو واضح ہورہا تھا عباسی صاحب نے تحقیق وریسرچ کا حق ادا کرنے کے لیے ایسے جملوں کو حذف کردیا، مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں عباسی صاحب کا ذہن بالکل دوسری طرح سوچتا ہے اس کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے کیا جاسکتا ہے۔

مثلاً ایک جگہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام ابومخنف کی روایت سے حضرت عبداللہ بن جعفر کی ایک تحریر کا ذکر کرکے جس میں آپ کو ''نور الاسلام'' کے لفظ سے یاد کیا گیا تھا لکھتے ہیں:

''طبری نے ''نور الاسلام'' کے بجائے ''نور الارض'' کے الفاظ لکھے ہیں، بہر کیف ''نور الاسلام'' کے لفظ ہوں یا ''نور الارض'' کے یہ فقرے ان راویوں

کے وضعی ہیں اور خاص ذہنیت کے ترجمان"۔

پھر اس پر زور لگاتے چلے گئے ہیں کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی ذمہ دار آدمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ سے یاد کرے، جو باعتبار معنی ومطالب حقیقت سے بعید ہیں۔

حالانکہ ایسے ہی مشتبہ راویوں سے وہ یزید اور اس کے حامیوں کو فائدہ پہنچانے والی ایسی تحریروں کو بے چون وچرا تسلیم کرانا چاہتے ہیں جن کے اندر وضعیت کی صریح شہادتیں موجود ہیں۔

"البدایہ والنہایہ" وغیرہ میں مروان کا ایک خط منقول ہوا ہے جو روایت کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قصد کوفہ کے بعد ابن زیاد کو لکھا گیا تھا کہ:

"فایاك وان تهيج على نفسك مالايسده شيء ولاتنساه العامة ولاتدع ذكره آخر الدهر"۔

خبردار تم کوئی ایسا معاملہ نہ کر بیٹھنا جس کا مداوا نہ ہو سکے جسے عوام کبھی بھلا نہ سکیں اور رہتی دنیا تک جس کا ذکر نہ چھوڑیں۔

اس کو نقل کر کے عباسی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اس مکتوب کے الفاظ ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذات سے حضرت مروان کو کیسی کچھ الفت تھی اور کیسی آرزو کہ اس خطرناک سفر میں ان کا بال بیکانہ ہونے پائے، یہ وہی مروان ہیں جن کے متعلق وضاعین نے اتہام لگایا ہے" الخ (خلافت ص ۱۹۸)

اس خط کے الفاظ اپنی وضعیت کا آپ ثبوت ہیں مگر عباسی صاحب نے مروان کی صفائی کے لیے پورے شرح صدر کے ساتھ اس کو استعمال کیا ہے۔ حالانکہ یہی الفاظ اگر مروان کی صفائی کا فائدہ نہ دے رہے ہوتے اور ان سے صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مدح ہو رہی ہوتی تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن جعفر کے خط کی طرح

اس خط کی بھی دھجیاں بکھیر دینے کے لیے پورا زور صرف کر دیتے۔

اس ریسرچ کا عام اصول :

عباسی صاحب کی ریسرچ کا یہ عام اصول ہے کہ اپنے مقصد کے خلاف جس تاریخی روایت پر وہ کوئی معقول جرح نہیں کر سکے اس کو بغیر دلیل کے وضعی کہہ کر بے دھڑک رد کر ڈالتے ہیں۔

محض احتمالات اور ظنیات سے استدلال :

اسی طرح ذہنی جنبہ داری کے ماتحت عباسی صاحب اپنے دعویٰ کی دلیلوں میں مخالف احتمال کو بالکل نظر انداز کر جاتے ہیں اور محض ظنیات سے اس طرح استدلال کرتے ہیں جیسے کہ ان کے استدلال کی بنیاد قطعی ہے۔

مثال نمبر (۱)

حضرت محمد بن حنفیہ کے یزید سے بیعت کر لینے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے کو عباسی صاحب نے اپنے اس دعویٰ کے لیے کھلا ثبوت قرار دیا ہے کہ ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف یہ اقدام مقتضیات زمانہ اور احکام شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب نہ تھا''۔ (ص ۱۳۸)

حالانکہ اس واقعہ میں اس دعویٰ کا ذرا بھی کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے کیونکہ اس اقدام میں جن حضرات نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عملاً ساتھ نہیں دیا اس کی یہ وجہ متعین نہیں ہے کہ وہ اس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے بلکہ اس میں دوسرا احتمال بھی ہے (جیسا کہ آگے آ رہا ہے)۔

مثال نمبر (۲)

اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مؤقف بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ان میں سے کسی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا'' اور اس کو بدیہی دلیل قرار دیتے ہیں کہ ''نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی

نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے"۔ (ص ۱۳۵)۔

اور لکھتے ہیں:

"کردار خلیفہ (یزید) میں کوئی خامی یا برائی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا" (ص ۱۴۲) حالانکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کردار خلیفہ میں خامی یا برائی سب کچھ ہو مگر ممانعت خروج کی احادیث کے پیش نظر (جن کو عباسی صاحب نے بھی ذکر کیا ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ساتھ نہ دیا ہو۔ پھر اس نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کسی خامی یا برائی اور جواز خروج کی نفی پر دلیل بنانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟۔

اس سے بھی بڑھ کر جس واقعہ میں عباسی صاحب کی مفروضہ بنیاد کے احتمال وامکان کی بھی ادنیٰ گنجائش نہیں پائی جاتی وہاں بھی وہ پورے وثوق ویقین کے ساتھ اس واقعہ کو اپنے مفروضہ کی بنیاد ٹھہرا لیتے ہیں اور اپنی مرضی کے موافق نتیجہ نکال لیتے ہیں۔

مثال نمبر (۳)

حضرت حسین کے دوسرے بھائی عمر الاطراف کے متعلق یہ بیان کر کے کہ وہ بھی حضرت حسین کے اقدام کے مخالف تھے پھر شیعہ مؤرخ ونساب مؤلف "عمدۃ الطالب" سے یہ نقل کر کے کہ جب شہادت حسین کی خبر آئی تو انہوں نے کہا "انا الغلام الحازم ولو اخرجت معهم لذهبت فى المعركة وقتلت (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۲۹) میں ایک عقل مند اور محتاط جوان ہوں اور اگر میں بھی ان کے ساتھ نکلتا تو لڑائی میں شریک ہوتا اور مارا جاتا" رقم طراز ہیں "ظاہر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یہ بھائی بھی ان کے خروج کو طلب حکومت وخلافت ہی کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز اور مناسب نہ تھا"۔

حالانکہ حضرت عمر الاطراف کے مذکورہ الفاظ کے بعد عباسی صاحب کے اس ظاہر کا ادنیٰ احتمال بھی باقی نہیں رہتا کیونکہ حضرت عمر الاطراف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو صرف حزم واحتیاط کے خلاف قرار دے رہے ہیں نہ کہ ناجائز، لیکن عباسی صاحب اس کو اپنے مفروضہ کی بنیاد ٹھہرا رہے ہیں اور اپنی پسند کے موافق نتیجہ نکال رہے ہیں۔

مناقب یزید میں محویت :

عباسی صاحب نے مناقب یزید کے شمار کرنے میں اپنی محویت کی وجہ سے ایسی چیزوں کا بھی ذکر کر دیا ہے کہ جن سے کسی قسم کی منقبت ثابت نہیں ہوتی بلکہ وہ ان کی اپنی خوش فہمی ہوتی ہے، مثلاً عباسی صاحب نے مدینہ منورہ سے یزید کے انس ومحبت کے ثبوت میں لکھا ہے کہ ”مدینہ طیبہ سے انس ومحبت ہی کی وجہ سے اپنی شریک زندگی کے لیے وہاں کی دو خواتین کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے“۔ (ص:١١٠)

اس واقعہ میں خواتین سے انس ومحبت کے سوا اور کسی چیز سے انس ومحبت کا ثبوت نہیں ہوتا جیسا کہ سلامہ نامی ایک مغنیہ کنیز کے واقعہ سے بھی جس کو خود عباسی صاحب نے بھی یزید کی منصف مزاجی کے عنوان سے لکھا ہے واضح ہو رہا ہے۔ اس واقعہ کا تذکرہ آگے آ رہا ہے

یزید کے فضائل میں عباسی صاحب لکھتے ہیں:

> ”اپنے زمانہ خلافت میں امیر یزید ہمیشہ جامع مسجد دمشق میں نماز پڑھاتے خاص کر امیر المؤمنین کی حیثیت سے جمعہ وعیدین کی نمازوں کی تو ظاہر ہے کہ خود ہی امامت کرتے اور بعد اداء نماز وہیں مجلس علم منعقد کرتے“ (٩٢)۔

ان فضائل کے ثبوت میں ”منتخبات تاریخ الیمن“ کے حوالہ سے جو واقعہ انہوں نے لکھا ہے اس کے آخر میں یہ لفظ ہیں:

"ثم دخلوا مسجد دمشق یوم الجمعة علی یزید" (ص ٨٧)

پھر یہ لوگ جمعہ کے دن مسجد دمشق میں یزید کے پاس پہنچے۔

یزید کے لیے جمعہ وعیدین کی امامت کو تو عباسی صاحب نے صرف ظاہر ہے سے ہی ثابت کر کے دکھلانا کافی سمجھا، دوسرا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکے، شاید ان کے نزدیک کسی نائب کا امامت کرانا درست ہی نہیں ہے اس لیے اس کا احتمال ہی ان کو نہیں ہوا۔ اول تو اس واقعہ میں جمعہ کے دن مسجد دمشق میں یزید کے پاس کچھ لوگوں کے پہنچنے کا ذکر ہے اس میں یزید کے نماز پڑھنے یا نماز پڑھانے کا کوئی ذکر نہیں ہے، یہاں تک کہ اس واقعہ میں اس کا بھی ذکر نہیں ہے کہ یہ لوگ نماز جمعہ کے بعد یزید کے پاس پہنچے تھے، صرف یوم الجمعہ کا ذکر ہے ،اب اگر یزید کے جامع مسجد میں ہونے سے ہی اس کی امامت نماز اور مجلس علم منعقد کرنے کا ثبوت ہو جاتا ہے تو پھر بھی دوام اور ہیشگی کا تو اس میں کوئی ادنیٰ سا اشارا بھی نہیں پایا جاتا۔

عباسی صاحب نے خالد بن یزید کے علمی کمالات (کمیسٹری کی ایجاد) اور علمی شغف (یونانی اور مصری کتابوں کے ذخائر کی فراہمی، دارالترجمہ کی تاسیس اور تصنیف وغیرہ) کا ذکر کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے۔

اولاد میں علم وفضل کے حصول کی اس درجہ خواہش اور تڑپ اپنے باپ ہی کی علمی مجالس اور گھر کے ماحول سے پیدا ہوئی جہاں اکثر قال اللہ وقال الرسول کی آوازیں آتی نہ کہ بقول کذابین غناو موسیقی کی۔

خالد کے دنیوی علوم وفنون کے ساتھ شغف کو قال اللہ اور قال الرسول کی آوازوں کا نتیجہ قرار دینا عباسی صاحب کا ہی کمال ہے۔ ورنہ کمیسٹری کی ایجاد اور یونانی کتابوں کے ذخائر کی فراہمی کو قرآن وحدیث کی آواز کا نتیجہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر قرآن وحدیث کی آوازیں گھر کے ماحول میں ہوتیں تو علوم قرآن تفسیر وحدیث میں مہارت کی صورت میں اس کا نتیجہ نکلنا قرین قیاس تھا نہ کہ یونانی علوم میں شغف کی صورت میں؟۔

محمود احمد عباسی صاحب کے پیش کردہ حوالوں کے آئینہ میں یزید کی صورت :

یزید کی مدح سرائی اور مناقب خوانی میں اس قدر مبالغہ آرائی کرنے کے باوجود

محمود احمد عباسی صاحب نے خود بھی اپنی نئی کتاب میں ایسا مواد فراہم کر دیا ہے جس کے آئینہ میں یزید کی اصلی صورت اور اس کا غیر شرعی کردار نظر آ سکتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''سیرت یزید کے بارہ میں غیر مسلم مؤرخین و محققین کی رائیں ہی یقیناً آزاد اور بے لاگ رائیں ہو سکتی ہیں، ان غیر مسلم مؤرخین کے بعض اقوال یہاں نقل کرنے بے جا نہ ہوں گے''۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے لائق مقالہ نگار رقم طراز ہیں:

''یزید نہ تو غیر سنجیدہ اور بے ہودہ شہزادہ تھا اور نہ ایسا لاابالی اور بے پرواہ حکمران جیسا ان مؤرخین نے بیان کیا ہے......وہ خود شاعر تھا موسیقی کا ذوق رکھتا تھا، اہل ہنر اور شعراء کا قدردان اور ادب و آرٹ کا مربی اور سرپرست تھا''۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۷۵)

عباسی صاحب نے یزید کے غیر سنجیدہ اور بے ہودہ شہزادہ ہونے اور لاابالی اور بے پرواہ حکمران ہونے سے متعلق مؤرخین کے بیان کے مقابلہ میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے غیر مسلم لائق مقالہ نگار کی رائے کو آزاد اور بے لاگ قرار دیا ہے۔ عباسی صاحب کے اس مسلمہ اور لائق مقالہ نگار نے سیرت یزید کی جو یہ صورت کشی کی ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ شاعر تھا اور موسیقی کا ذوق ہی رکھتا تھا بلکہ وہ ادب و آرٹ کا مربی اور سرپرست تھا، اس میں حقیقت کے متلاشی کو یزید کی صحیح صورت نظر آ سکتی ہے اور اس کا غیر شرعی کردار واضح ہو جاتا ہے اور عباسی صاحب کے اس دعویٰ کی حقیقت بھی آشکارا ہو جاتی ہے جو انہوں نے قال اللہ وقال الرسول کی آوازوں کے گونجنے کا کہا ہے اب یزید کے غنا اور موسیقی سے نہ دلچسپی اور شغف بلکہ اس فن شریف کی سرپرستی بھی عباسی صاحب کے مسلمہ و لائق مقالہ نگار کے مطابق ہو گئی یہ تو کذابین کی روایت نہیں ہے اس کو تو عباسی صاحب کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں ہو سکتا۔

موسیقی شریعت کی نظر میں :

اب دیکھنا یہ چاہیے کہ شریعت مقدسہ کی نظر میں اس موسیقی کا ذوق اور ادب وآرٹ جس کی تربیت اور سرپرستی کا فرض یزید نے انجام دینا اپنے ذمہ لیا ہوا تھا اس کا کیا درجہ ہے:

"عن ابی امامة قال قال النبی ﷺ ان اللہ تعالٰی بعثنی رحمةً للعالمین وھدیً للعالمین وامرنی ربی عزوجل بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلب وامر الجاھلیة"۔ (مشکوٰۃ شریف)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام عالم کے واسطے سبب رحمت اور رہنمائی کے لیے بھیجا ہے اور میرے رب عزت وبزرگی والے نے مجھے حکم دیا ہے باجوں اور مزامیر اور بتوں اور صلیب اور تمام رسومات جاہلیت کے مٹانے کا۔

موسیقی اور ادب وآرٹ کے آلات وغیرہ جن چیزوں کے مٹانے کا شریعت نے حکم دیا ہے ان کی سرپرستی کرنا اور ان کو رواج دینا کیا یزید کے فسق اور اس کی سیرت وکردار کی خرابی کا کھلا ثبوت نہیں ہے؟ اور کیا اس سے عباسی صاحب کے اس دعویٰ کی حقیقت واضح نہیں ہوجاتی کہ "کردار یزید میں کوئی خرابی نہیں تھی جس سے اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا"۔

منصف مزاجی :

عباسی صاحب نے اس عنوان کے تحت یزید کی منقبت کے ضمن میں غیر شعوری طور پر اس کی بھی نشاندھی کردی ہے کہ یزید کے اردگرد کس قسم کے آزاد منش لوگوں کا گروہ رہتا تھا اور وہ اس کو کس طرح حسن وجمال کا دلدادہ اور گانے بجانے والی لونڈیوں پر فریفتہ کرتا رہتا تھا، لکھتے ہیں:

"ابن کثیر نے سلامہ نامی ایک کنیز کا واقعہ بیان کیا ہے جو مدینہ منورہ کی رہنے والی حسن وجمال میں یکتا اور ہمہ صفت موصوف تھی، قرآن شریف اچھی

قراءت سے سناتی شاعرہ اور مغنیہ تھی...... اس کنیز کی امیر یزید سے بہت کچھ ثناء وصفت کر کے اس کی خریداری پر راغب کیا...... کنیز کے آقا سے خریداری کا معاملہ طے کر لیا گیا، کنیز مذکورہ مدینہ سے دمشق آ کر داخل حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر اسے فوقیت حاصل ہوگئی لیکن جب یہ راز فاش ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک اور شاعر احوص بن محمد ایک دوسرے کے دام محبت میں گرفتار ہیں، امیر یزید نے احوص کو جو دمشق میں موجود تھا نیز سلامہ کو مواجہ میں طلب کر کے تصدیق کی ان دونوں نے فی البدیہ اشعار میں اقرار محبت کیا...... امیر یزید نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوص کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا: اے احوص اب یہ (سلامہ) تمہاری ہے تم اسے لے لو پھر اسے اچھا انعام عطا کیا"۔

اس واقعہ کو نقل کر کے عباسی صاحب لکھتے ہیں:

"انصاف پسند طبیعت ہی کا تقاضا تھا کہ داخل حرم کرنے کے بعد بھی ان کے جذبات محبت کا احترام کیا"۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۷۱)

مال ومنال اور حسن و جمال میں سے سب سے زیادہ عورت کے دیندار ہونے کو ملحوظ رکھنے کی شریعت میں ہدایت کی گئی ہے کسی عورت کے حسن و جمال کو سن کر ہی اس کا طلبگار ہو جانا کیا کچھ کم معیوب تھا، اس سے بڑھ کر اس کا مغنیہ ہوتے ہوئے داخل حرم کر لینا تو آزاد منش اور عیاش قسم کے لوگوں ہی کا طریقہ ہو سکتا ہے ایک متدین کیا بلکہ شریف آدمی کے لیے بھی یہ بات قابل شرم اور باعث ننگ و عار ہوتی ہے۔

جب ایک عورت مغنیہ ہونے کے ساتھ ہمہ صفت موصوف تھی، پھر کیسے ہو سکتا تھا کہ مغنیہ ہونے کے لوازم عشق و معاشقہ سے وہ محفوظ رہ سکتی یہ تو گویا غنا اور ادب و آرٹ کا خاصہ لازمہ ہے، اب اس پر قدغن لگانا اور تنبیہ و سرزنش کرنا امیر یزید کی اہل ہنر اور شعراء کی

قدردانی اورادب آرٹ کے مربی اور سرپرست ہونے کے منصب کے خلاف ہوتا اس لیے امیر یزید نے اس غیر شرعی معاشقہ پر سرزنش کرنے کی بجائے ان کے جذبات کا احترام کر تے ہوئے حوصلہ افزائی اور قدردانی کو ضروری سمجھا اور اپنی داخل حرم عورت کو مزید انعامات کے ساتھ اس کے عاشق کے حوالہ کر دیا، عباسی صاحب محض حمایت یزید میں اس کو انصاف پسندی کا تقاضا کہہ کر انصاف کا خون کر رہے ہیں۔

یزید کے بارہ میں اکابر امت کی آراء :

(۱) فتح الباری اور قسطلانی میں طبری سے منقول ہے:

'ان یزیدبن معاویة کان امر علی المدینة ابن عمه عثمان بن محمدبن ابی سفیان فاوفدالی یزیدجماعةمن اهل المدینة منهم عبدالله بن غسیل الملائکة وعبدالله بن ابی عمروالمخزومی فی آخرین فاکرمهم واجازهم فرجعوا فاظهرواعیبه ونسبوه الی شرب الخمروغیر ذٰلك"۔ (حاشیہ بخاری: ج۲،ص،۱۰۵۳)

ترجمہ: یزید نے مدینہ پر اپنے چچازاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو امیر مقرر کیا، پھر اس نے یزید کے پاس اہل مدینہ کا ایک وفد بھیجا جس میں غسیل الملائکہ کے بیٹے عبداللہ اور عبداللہ بن ابی عمرو مخزومی اور دوسرے لوگ تھے۔ پس یزید نے ان کا اکرام کیا اور ان کو عطیات دیے پھر جب وہ واپس مدینہ لوٹے تو انہوں نے یزید کے عیب ظاہر کیے اور اس کے افعال شراب پینے وغیرہ کا ذکر کیا۔

(۲) فتح الباری میں ہے کہ:

"کقوله (ای ابی هریرة) اعوذبالله من رأس الستین وامارة الصبیان یشیرالیٰ خلافة یزیدبن معاویةفانها کانت سنةستین

واستجاب اللّٰہ دعاء ابی ہریرۃ فمات قبلھا بسنۃ"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کہ میں اللہ تعالیٰ سے بچوں کی امارت اور ۶۰ھ سے پناہ چاہتا ہوں، سے یزید کی خلافت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ ساٹھ ہجری میں امیر بنا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی اور وہ ۵۹ھ میں ہی انتقال فرما گئے۔ (حاشیہ بخاری: ج۱، ص۲۳)

(۳) حافظ ابن کثیر مطاعن یزید سے متعلق چند روایات کی تردید کرنے کے باوجود فرماتے ہیں:

"وکان فیہ ایضاً اقبال علی الشھوات وترک بعض الصلوٰۃ فی بعض الاوقات واماتتھا فی غالب الاوقات" (البدایۃ والنہایۃ: ج۸، ص۲۳)

نیز اس کے اندر شہوتوں پر توجہ دینا اور بعض نمازوں کا چھوڑنا بعض اوقات میں اور اکثر اوقات میں نمازوں کا قضاء کر دینا بھی تھا۔

(۴) ابو الحسن المعروف بالکیا الہراسی احد الفقہاء الکبار من رؤس الشافعیۃ سے یزید کے بارہ میں استفتاء کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

"فذکر عنہ تلاعباً وفسقاً وجوز شتمہ"۔ (البدایہ والنہایہ: ج۱۲، ص۱۷۳)

اس کے فسق اور کھیل کود کا ذکر کرتے ہوئے اس کے شتم کو جائز قرار دیا۔

(۵) ابو الفرج شیخ ابن جوزی نے شیخ عبد المغیث بن زہیر کی کتاب "فضل یزید" کی تردید میں کتاب لکھی اس کے بارہ میں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

"وقد رد علیہ ابو الفرج ابن الجوزی۔ (وھو من شیوخ الحنابلۃ) فاجاد واصاب"۔ (البدایۃ: ج۱۲، ص۳۲۸)

ابو الفرج ابن الجوزی نے (جو حنابلہ کے شیوخ میں سے ہیں) اس پر بہت عمدہ اور صحیح رد کیا ہے۔

(۶) حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"قال یحی بن عبدالملک بن ابی غتبة احد الثقات ثنا نوفل بن ابی عقرب ثقة قال کنت عند عمر بن عبدالعزیز فذکر رجل یزید بن معاویة فقال قال امیر المؤمنین یزید فقال عمر تقول امیر المؤمنین یزید فامر به فضرب عشرین سوطاً"۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۱)

ترجمہ: یحی بن عبدالملک بن ابی عتبہ نے جو ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں بیان کیا کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا جو ثقہ ہیں کہ میں امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس حاضر تھا، ایک شخص نے یزید بن معاویہ کا ذکر کیا اور کہا کہ "امیر المؤمنین یزید نے یہ کہا" خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "تو یزید کو امیر المؤمنین کہتا ہے" اور اس شخص کے لیے بیس کوڑے مارنے کا حکم فرمایا، چنانچہ اس کے بیس کوڑے مارے گئے۔

(۷) حافظ ابن تیمیہ جن کے برابر یزید پر وارد کردہ الزامات کے جوابات اور اس کے دفاع میں شاید ہی کسی نے حصہ لیا ہو مگر اس نصرت کے باوجود وہ بھی ایک جگہ لکھتے ہیں:

"مع انہ کان فیہ من الظلم ما کان ثم انہ اقتتل ہو وہم وفعل باھل الحرة اموراً منکرة"۔ (منہاج السنۃ: ج ۱، ص ۲۷)

اس کے ساتھ اس میں جو ظلم تھے، پھر اس نے اور انہوں نے قتال کیا اور اہل حرہ کے ساتھ نازیبا سلوک کیا۔

(۸) فتاویٰ ابن تیمیہ میں لکھا ہے۔

:"بل الحق فیہ انہ کان ملکاً من ملوک المسلمین لہ حسنات ولہ سیئات والقول فیہ کالقول فی امثالہ من الملوک لا نحبہ ولا نسبہ وھو اول من غزا قسطنطنیة وقال رسول اللہ ﷺ اول جیش

یغزوھا یغفرلھم وفعل فی اھل المدینة مافعل وقدتوعدرسول اللّٰہ ﷺ من قتل فیھا قتیلاً ولعنه"۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ص،۳۱۰)

ترجمہ: بلکہ یزید کے بارے میں حق یہ ہے کہ وہ مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔اس کی اچھائیاں بھی ہیں اوراس کی برائیاں بھی ہیں اوران کے بارے میں ہماراقول وہی ہے جواس کی مثل دوسرے بادشاہوں کے بارے میں ہے ہم نہ اس سے محبت کرتے ہیں اورنہ اس پرلعن طعن کرتے ہیں اوروہ پہلاشخص ہے جس نے قسطنطنیہ پرحملہ کیاہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایاہے کہ پہلالشکر جوقسطنطنیہ پر جہادکرے گاان کی مغفرت ہوجائے گی اور اس نے اہل مدینہ کے بارے میں کیاجوکچھ کیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں (عذاب کی) وعیدسنائی ہے اوراس پرلعنت کی ہے جو مدینہ میں قتل وقتال کرے۔

حاصل یہ ہے کہ یزید کے فسق وفجور کے بارہ میں جومبالغہ آمیزاورنا قابل اعتبار تاریخی روایات بطورافتراء اور بہتان کے مشہورہوچکی ہیں اورمعائب یزید کی جن روایات کاان کے راویوں کے کذب ودجل اورتلبیس کی وجہ سے موضع اورمن گھڑت ہونا ثابت ہوچکاہے اگران سب سے قطع نظرکر کے صرف عبارات بالاہی کوبنظرانصاف دیکھاجائے تویزید کے بارہ میں اس حقیقت پریقین کرلینے سے چارہ نہیں ہے کہ یزید کی طرف سے پورا دفاع کرنے کے باوجود جس کااقرارحافظ ابن تیمیہ اوران کے شاگردحافظ ابن کثیرکوبھی اپنے مذکورہ بالاالفاظ میں کرناپڑاہے۔

عباسی صاحب کانظریہ اوران کے حوالوں کاجائزہ :

اکابرامت کی آراء کے برخلاف محموداحمدعباسی صاحب کانظریہ یہ ہے کہ یزید ایک نہایت ہی متقی، پارسامناقب جلیلہ اوراوصاف حمیدہ کامالک شخص تھااس کے لیےعباسی

صاحب نے کتابوں کی عبارتوں میں قطع برید کرنے اور بعض عبارتوں کا ترجمہ تک غلط کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ بطور نمونہ چند حوالوں کا ذیل میں جائزہ لیا جاتا ہے، اس جائزہ سے عباسی صاحب کی ریسرچ کا حقیقی منظر واضح ہو کر سامنے آجائے گا۔

(۱) عباسی صاحب نے حافظ ابن کثیر کا یہ قول: "وله مصنف فی فضل یزید بن معاویة اتی فیه بالغرائب والعجائب" نقل کر کے اس کا ترجمہ اپنے مطلب کے موافق اس طرح کیا ہے "اور ان (شیخ عبدالمغیث) کی تصنیف سے فضل یزید بن معاویہ پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے غریب و عجیب حالات بیان کئے ہیں"۔

حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ ایسے مواقع میں "غرائب و عجائب" کا استعمال اچھے معنیٰ میں نہیں ہوتا بلکہ ان کے غیر مستند ہونے کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ علامہ ابن کثیر کا مقصد بھی اس سے یہی بتلانا تھا کہ اس میں غیر مستند باتیں لکھی ہیں مگر عباسی صاحب نے اس سے کتاب کی مدح کا پہلو کشید کر لیا۔

دوسرے "اتیٰ فیه بالغرائب والعجائب" سے ملی ہوئی فوراً ہی بعد جو یہ عبارت تھی "وقد رد علیه ابوالفرج بن الجوزی فاجادواصاب" ابوالفرج ابن جوزی نے اس پر بہت عمدہ اور صحیح رد کیا ہے، اس عبارت کو اپنے مقصد کے خلاف دیکھ کر عباسی صاحب نے چھوڑ دیا۔

ابن جوزی کی اس کتاب کا نام "الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید" ہے۔ (مذکورہ کتاب کا اُردو ترجمہ ہمارے ادارہ "شاہ نفیس اکادمی" سے شائع ہو چکا ہے۔ ر۔ن)

یزید کی منقبت ثابت کرنے کے لیے عباسی صاحب نے علامہ ابن کثیر کی عبارت کا غلط مفہوم پیدا کرنے اور اس سے متصل کی عبارت کو حذف کر کے ناظرین کو مغالطہ دینے کی کس طرح کوشش کی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

(۲) عباسی صاحب لکھتے ہیں "خلیفہ ناصر نے امیر یزید کے بارہ میں شیخ سے

جو سوال کیا اور جو جواب انہوں نے دیا علامہ موصوف کے الفاظ میں سنئے:

"فسأله الخليفة عن يزيد ايلعن ام لا؟ فقال لا اسوغ لعنه لانی لو فتحت هذا الباب لافضى الناس الٰی لعن خليفتنا فقال الخليفة ولم؟ قال لانه يفعل اشياء منكرة كثيرة منها كذا و كذا ثم شرع يعدد على الخليفة افعاله القبيحة و مايقع منه المنكر"۔ (البدایہ ج ۱۲ ص ۳۲۸)

پھر اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

"خلیفہ ناصر نے (شیخ عبدالمغیث) سے سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا کہ وہ بہت سے منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں، انہوں نے خلیفہ کے برے افعال گنانے شروع کئے"۔ (خلافت معاویہ و یزید: ص ۱۰۶، ۱۰۷)

"لا اسوغ لعنه" کا ترجمہ "لعن کرنا ہرگز جائز نہیں" صحیح نہیں ہے، صحیح ترجمہ اس کا یہ ہے "میں اس پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا" لعن کا جائز نہ ہونا اور بات ہے اور جائز ہوتے ہوئے کسی مصلحت کی وجہ سے اس کی اجازت نہ دینا اور بات ہے۔ خلیفہ ناصر بھی چونکہ بعض منکرات اور برائیوں پر عمل پیرا تھے اس وجہ سے شیخ نے یزید پر لعنت کی اجازت دینے سے خلیفہ وقت پر بھی لعنت کے دروازے کے کھل جانے کا اندیشہ کیا۔ اس لیے لعنت کی اجازت نہیں دی اور خلیفہ وقت کو متنبہ کر دیا کہ جن منکرات کی وجہ سے وہ یزید کو مستحق لعنت سمجھتے ہیں ویسے ہی امور منکرہ کے وہ خود بھی مرتکب ہو رہے ہیں۔ تو کیا شیخ کے اس قول سے یزید کی کوئی منقبت ثابت ہو رہی ہے؟ یا اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یزید اور خلیفہ ناصر دونوں ہی امور منکرہ اور افعال قبیحہ کے مرتکب ہیں۔

(۳) عباسی صاحب نے یزید کی منقبت ثابت کرنے کے لیے حسب ذیل عبارت بھی بیان کی ہے:

"وکان (ابوایوب الانصاری) فی جیش یزیدبن معاویة والیه اوصیٰ وهوالذی صلی علیه"۔ (البدایہ ج۸ص ۵۸)

ترجمہ: ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ کے لشکر میں تھے انہوں نے اس (یزید) کو وصیت کی اور اسی (یزید) نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

(خلافت معاویہ ویزید ص ۷۷)

یزید کے نماز جنازہ پڑھانے سے اس کی فضیلت ومنقبت پر کچھ روشنی نہیں پڑتی، بحیثیت امیر لشکر ہونے کے نماز پڑھانا ان کا حق تھا۔ "صلوا خلف کل بروفاجر" فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہمیشہ اسی طرح عمل ہوتا رہا ہے، ائمہ جور کے پیچھے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے نمازیں ادا کی ہیں مگر اس سے ان ائمہ کا ثقہ اور عادل ہونا ثابت نہیں ہوا بلکہ اس کے باوجود بھی وہ امام جائر ہی رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے زمانہ میں سبائیوں کا سرغنہ مسجد نبوی میں نماز پڑھاتا تھا اور حضرت عثمان خلیفہ راشد نے اس کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی جیسا کہ بخاری شریف میں ج ۱ ص ۹۶ پر موجود ہے، مگر اس کی امامت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس کے پیچھے نماز ادا کرنے سے اس کی ثقاہت اور عدالت کا ثبوت نہیں ہوا۔

بخاری شریف میں ہے:

"ویصلی لنا امام فتنة ونتحرج فقال الصلوٰة احسن مایعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معهم واذا اساء وافاجتنب اسائتهم"۔

(بخاری: ج ۱، ص ۹۶)

(۴) عباسی صاحب نے یزید کے محاسن ثابت کرنے کے لیے "البدایہ" کی

حسب ذیل عبارت بھی پیش کی ہے:

"وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأى فى الملك وكان ذاجمال حسن المعاشرة" ۔ (البدایہ:ج،۸،ص،۲۳۰)

اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم وکرم وفصاحت وشعر گوئی وشجاعت وبہادری کی تھیں، نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور خوبصورت اور خوش سیرت تھے۔ (خلافت معاویہ ویزید:ص،۱۰۰)

مگر اس سے ملی ہوئی حسب ذیل عبارت کو عباسی صاحب نے ریسرچ کا حق ادا کرنے کے لیے چھوڑ دیا:

"وكان فيه ايضاً اقبال على الشهوات وترك بعض الصلوٰت فى بعض الاوقات واماتتها فى غالب الاوقات ۔ (البدایہ:ج،۸،ص،۲۳۰)

ترجمہ: اور نیز اس میں شہوات نفسانیہ میں انہاک اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک کرنا پایا جاتا تھا اور نمازوں کا بے وقت پڑھنا تو اکثر اوقات تھا"۔

عباسی صاحب کی منقولہ عبارت سے یزید کے اندر حلم وکرم وغیرہ اوصاف مذکورہ کے پائے جانے سے جو کہ ایک غیر مسلم اور غیر متقی میں بھی پائے جاسکتے ہیں یزید کا ثقہ اور متقی ہونا کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے؟ جس کے لیے عباسی صاحب بہت بے چین نظر آتے ہیں۔

خلافت معاویہ ویزید کے طبع چہارم میں اس عبارت پر یہ حاشیہ لکھا ہے "اس عبارت کے بعد ہی لفظ ایضاً کے ساتھ جو الفاظ درج ہیں وہ اس لیے حذف کردیے گئے کہ جن بزرگوں کو امیر یزید کے حالات سے ذاتی واقفیت تھی انہوں نے امیر یزید کی پابندی نماز اور اتباع سنت کا حال بیان کیا ہے، مثلاً برادر حسین رضی اللہ عنہ محمد بن حنفیہ وغیرہ نے جو دوسری جگہ درج ہے، نیز اس موقع پر ان کی کریم النفسی کا ذکر ہے" (حاشیہ:ص،۱۰۰)۔

فتح الباری وغیرہ کی عبارت منقولہ (۱) میں موجود ہے:

کہ یزید کے چچازاد بھائی امیر مدینہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جس جماعت کو یزید کے حالات معلوم کرنے کے لیے اہل مدینہ کی طرف سے بطور وفد کے دمشق روانہ کیا تھا اس وفد نے مدینہ منورہ واپس آ کر یزید کے عیوب کو بیان کیا تھا اور شراب پینے کو اس کی طرف منسوب کیا تھا۔ تو کیا اس وفد نے یزید کے حالات سے ذاتی واقفیت حاصل کیے بغیر ہی یہ بیان دے دیا تھا؟ یہ بیان آخر کیوں نا قابل قبول ہے؟ مختلف احوال میں مختلف حالات کا دیکھنے والوں کے علم میں آ جانا کیا کوئی ناممکن بات ہے؟ برادر حسین محمد بن حنفیہ نے امیر موصوف کی پابندی نماز اور اتباع سنت کا حال دیکھا ہوگا انہوں نے اس کو بیان کر دیا دوسرے وقت میں اس کے دوسرے حالات ظاہر ہوئے تو اس کو دیکھنے والوں نے بیان کر دیا اس میں تعارض وتخالف کی کیا بات ہے؟

حافظ ابن کثیر کی پوری عبارت کو نقل کر کے اس کے کسی حصے سے اختلاف ظاہر کیا جاتا تو یہ اور بات ہوتی اور عبارت میں قطع برید کر کے اس کے ایک حصے کو نقل کرنا اور دوسرے حصے کو حذف کر کے اس کو حافظ ابن کثیر کی طرف منسوب کرنا ناظرین کو مغالطہ میں ڈالنا اور بددیانتی اور تلبیس سے کام لینا ہے۔

(۵) اکابر امت کی آراء کے تحت (۶) پر ابن حجر عسقلانی کی روایت سے اس واقعہ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ "عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے کسی نے یزید کا ذکر امیر المؤمنین کہہ کر کیا تو انہوں نے بیس کوڑے لگانے کا حکم دیا"۔

حافظ ابن حجر نے اس واقعہ کو یحیٰ بن عبدالملک بن ابی عتبہ سے اور انہوں نے نوفل بن عقرب سے روایت کیا ہے۔ اس سند کے راوی یحیٰ بن عبدالملک کی توثیق ابن

حجر نے "احد الثقات" کہہ کر کی ہے اور دوسرے راوی نوفل بن ابی عقرب کا ثقہ ہونا "ثقہ" کی تصریح کر کے بتلا دیا ہے۔ مگر عباسی صاحب لکھتے ہیں:

"برخلاف وضعی روایت کے راویوں یحیٰی بن عبدالملک ونوفل بن عقرب کے جو مجہول الحال ہیں"۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۹۴)

عباسی صاحب کا ان راویوں کو مجہول الحال کہنا ابن حجر کی توثیق کے باجود کیا وزن رکھتا ہے، یہ بھی قابل غور ہے۔

عباسی صاحب اس واقعہ پر عمل جراحی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تہذیب التہذیب" میں امام ابن حجر عسقلانیؒ امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحیٰی بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی کا جس کو وہ "احد الثقات" یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں یہ قول اپنی ہی طرح کے ایک اور ثقہ راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزید کا ذکر اس نے امیر المؤمنین کہہ کر کیا تھا۔

(خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۹۳)

عباسی صاحب کے مغالطات :

(الف) حافظ ابن حجر "تہذیب التہذیب" میں ایسے آدمی کا ذکر بھی کر دیتے ہیں جو راوی حدیث نہیں ہوتا اور مقصد دو ہم ناموں میں اشتباہ کو دور کرنا ہوتا ہے، اس جگہ حافظ ابن حجر نے صحاح کے راوی یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز کرنے کے لیے یزید بن معاویہ اموی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح خود حافظ موصوف نے فرما دی ہے "ذکرتہ للتمیز بینہ وبین النخعی" میں نے یزید کا ذکر اس میں اور النخعی میں تمیز کرنے کے لیے کیا ہے۔

عباسی صاحب نے اس سے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ یزید بھی صحاح کا

راوی ہے حالانکہ اس کی حقیقت صرف یہ ہے جو حافظ صاحب موصوف کی زبانی ابھی لکھی گئی ہے

(ب) عبارات بالا میں عباسی صاحب نے اس قول کو یحیٰ بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ان کا ذکر ہی "تہذیب التہذیب" میں سرے سے نہیں ہے۔ البتہ یحیٰ بن عبدالملک بن غنیۃ الخزاعی ابوزکریا الکوفی کی روایت سے اس قول کو علامہ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" میں روایت کیا ہے اور ان کی توثیق کی ہے۔

(ج) جب ثقہ اور معتبر راویوں کے ذریعہ سے یہ واقعہ ثابت ہے تو اس بنا پر اس کے رد کرنے کی کوشش کرنی کہ عباسی صاحب کے نزدیک یزید کا ذکر امیر المؤمنین کہہ کر کرنا شرعی جرم نہیں ہے، کیسے درست ہو سکتی ہے؟

اگرچہ عباسی صاحب کے نزدیک یہ شرعی جرم نہیں ہے مگر خیر التابعین خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک یزید کا ذکر امیر المؤمنین کہہ کر کرنا ایسا شرعی جرم تھا جس پر انہوں بیس کوڑے لگانے کا حکم دیا تھا۔

(د) اس واقعہ کے نقل اور اس کے راویوں کی توثیق کرنے سے حافظ ابن حجر کے نزدیک یزید کی حیثیت اور اس کا مرتبہ واضح ہو رہا ہے اسی سے اس کا ذکر رواۃ احادیث میں کرنے کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے اور خود علامہ ابن حجر نے تصریح کر دی ہے "ولیست له روایة تعتمد" اس (یزید) کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں ہے اور علامہ ذہبی نے یزید کے متعلق فرمایا ہے:

"(یزید بن معاویة) بن ابی سفیان الاموی روی عن ابیه وعنه ابنه خالد وعبدالملك بن مروان مقدوح فی عدالته لیس باهل ان یروی عنه وقال احمد بن حنبل لاینبغی ان یروی عنه"۔

(میزان الاعتدال: ج۴، ص۴۴۰)

یزید نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور خود اس سے اس کے بیٹے خالد اور

عبدالملک بن مروان نے روایت کی ہے، اس کی عدالت مجروح ہے یہ اس کا اہل نہیں ہے کہ اس سے روایت کی جائے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔

علامہ ابن حجر اور علامہ ذہبی جیسے اسماء الرجال کے ماہرین نے جب یزید کو مجروح اور نا قابل اعتماد قرار دیدیا ہے اب اس کے مقابلہ میں عباسی کا ص ۹۴ پر یزید کے بیٹے خالد وغیرہ کی ان سے روایت کرنے کی وجہ سے اس کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش یزید کی بے جا حمایت ہے۔

(ہ) اور عباسی صاحب کا یہ کہنا کہ "مراسیل ابی داود میں ان (یزید) سے روایت ہے" اس کے بارہ میں علامہ ابن حجر کی عبارت اس طرح ہے "ثم وجدت له روایة فی مراسیل ابی داود وقد نبهت علیها فی الاستدراك"۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۱)

عبارتوں کی قطع برید کرنے اور ان کے غلط ترجموں سے یزید کے مناقب اور محاسن ثابت کرنے کی اس دیانتدارانہ کوشش کے بارہ میں ہی کیا یہ کہا جارہا ہے کہ عباسی صاحب کی "اس ریسرچ نے حقیقت سے پردہ اٹھادیا ہے؟"۔

حضرت حسینؓ کے بارہ میں عباسی صاحب کے خیالات :

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں عباسی صاحب نے چونکہ اپنے خیالات کی ترجمانی کے لیے مستشرقین کا کندھا استعمال کیا ہے اور مرتبہ ناشناس غیر مسلموں کے نہایت ناشائستہ اور گھناؤنے الفاظ کو بغیر تنقید کے انہوں نے نہ صرف نقل کردیا ہے بلکہ بعض جگہ ان الفاظ کو قابل لحاظ قرار دے کر اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بھی ان کو پیش کیا ہے، اس طرح عباسی صاحب نے سیدنا حسین کی برملا تنقیص کرنے میں ان مستشرقین کی ہمنوائی اور موافقت کا ارتکاب کیا ہے، عباسی صاحب کے خیالات کی ترجمانی کے لیے ان کی حسب ذیل عبارات قابل لحاظ ہیں:

(۱) خلافت معاویہ ویزید کے ص ۱۲۵ پر مؤرخ دوزی کے حوالہ سے لکھا ہے:

''حسین کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے ایک انوکھی لغزش اور خطأ ذہنی قریب قریب غیر معقول حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے''۔

عباسی صاحب نے اس کو نقل کرتے ہوئے قابل لحاظ قرار دیا ہے، لکھا ہے

''مشہور مؤرخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارہ میں قابل لحاظ ہے''۔(ص ۱۲۵)

اس سے واضح ہے کہ عباسی صاحب کے خیالات بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں اسی طرح کے ہیں۔

(۲) ص ۱۹۵ پر مؤرخ دوزی کا درج ذیل فقرہ نقل کرتے ہوئے اس کو برمحل قرار دیا ہے، مؤرخ دوزی کا یہ فقرہ بے محل نہ ہوگا ''حسین نے حب جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فخریہ طور پر نمائش کرتے رہے جو ان کو موصول ہوتے رہے اور جن کی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی''۔

(۳) ص ۲۰۳ پر تحریر کرتے ہیں کہ ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جاسکتی جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے انہیں خلیفہ بنایا جائے''۔

(۴) ''حضرت حسین نسبی وخاندانی دعویٰ سے بے جا وبے محل خروج کرنے میں بقول مؤرخ ''الخضر می'' ص ۲۳۵ ''عظیم ترین غلطی کا ارتکاب کیا تھا'' موجودہ دور تحقیق وریسرچ میں ناجائز خروج کی پردہ پوشی کے لیے مناقب کی مبالغہ آمیز وضعی اور جھوٹی حدیثیں اور روایتیں اپنا وزن کھو چکی ہیں اور یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ طلب حکومت کے ان خروجوں نے جن کا سلسلہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج سے شروع ہو کر ان کی

اولاد میں صدیوں تک جاری رہا وحدت اسلامی کا شیرازہ منتشر کر دیا“۔

(خلافت معاویہ و یزید: ص، ۴۶۸)

ان عبارات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں جس قدر گستاخانہ انداز تحریر اختیار کیا گیا ہے وہ ہر گز کسی مسلمان کے لیے قابل برداشت نہیں ہو سکتا مگر بد قسمتی سے اس انداز تحریر کو تحقیق و ریسرچ کے نام پر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اور خارجیت کے اس تلخ زہر کو ”تاریخی تحقیق“ کی چاشنی کے ذریعہ اہل سنت کے لیے قابل برداشت بنانے اور ان کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں بد ظنی کے اس نظریہ کی جس کو عباسی صاحب نے پیش کیا ہے اہل سنت والجماعت کے مسلک میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ مسلک اہل سنت کی رو سے اس کو روافض کے غلو اور افراط کے مقابلہ میں یقیناً خوارج کی تفریط اور خطرناک ضلالت اور سخت گمراہی کہا جائے گا۔

اہل بیتؓ کی محبت عین ایمان ہے :

اہل سنت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت اور حسن ظن رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ کے اہل بیت عظام کے بارہ میں بھی حسن ظن رکھنا اور ان کے ساتھ محبت کرنا عین ایمان ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شان اقدس میں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی قرابت قریبہ ہونے کے علاوہ صحابیت کا شرف بھی حاصل ہے کسی طرح کی بدگمانی کا تصور کرنا اور حضرت موصوف کے بارہ میں ”حب جاہ، اور باغی نیز بناوٹی ولی اللہ اور شیخی خور“ ہونے کا نظریہ رکھنا جیسا کہ اوپر کی عبارات سے عباسی صاحب کا یہی نظریہ ظاہر ہو رہا ہے، اس کو مسلک اہل سنت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، یہ عباسی صاحب نے اپنی خارجیانہ ذہنیت اور باغیانہ خیالات کا مظاہرہ کیا ہے۔

حضرت حسینؓ کی صحابیت سے انکار :

عباسی صاحب کی یہی ذہنیت ہے جو "تحقیق وریسرچ" کی آڑ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صف میں شمار کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

عرض مؤلف طبع سوم میں اگرچہ عباسی صاحب نے اس الزام کے جواب میں مغالطہ دینے کے لیے پہلے یہ لکھا ہے کہ "حضرت حسین کی صحابیت سے کہیں بھی انکار نہیں کیا گیا" (خلافت معاویہ ویزید ص ۲۴) مگر اس پر وہ برقرار نہیں رہ سکے اور اسی صفحہ پر اپنے مافی الضمیر کا اس طرح برملا اظہار کر دیا کہ:

"جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا وفات نبوی کے وقت چار پانچ سال کا ہونا ثابت ہے تو صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چہ جائیکہ صحابی جلیل ہونے کا"۔

(ایضاً ص ۲۴)

مگر یزید کے حامی عمر بن سعد کے بارہ میں عباسی صاحب بالکل دوسری طرح سوچتے ہیں اور حضرت حسین اور عمر بن سعد دونوں کے ہم عمر ہونے کے باوجود عمر بن سعد کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

"حضرت عمر بن سعد اور حضرت حسین بن علی دونوں ہم سن قرار پاتے ہیں"

(خلافت ص ۲۴۴)

پھر لکھا ہے "عمر بن سعد خود صغار صحابہ کے زمرہ میں شامل تھے" (ایضاً ص ۲۳۰)

جس سن وسال میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا عباسی صاحب کے نزدیک اسی سن وسال میں عمر بن سعد رضی اللہ عنہ صحابیت کے شرف سے بھی مشرف ہیں اور زمرہ صحابہ میں بھی شامل ہیں۔ اب اس کو عباسی صاحب کی خارجیانہ ذہنیت کے مظاہرہ کے سوا اور کیا نام دیا جائے؟۔

حضرت حسینؓ کی شہادت سے انکار :

عباسی صاحب یزید کے خلاف حضرت حسین کے اس اقدام کو چونکہ ''ناجائز خروج'' سمجھتے ہیں اس لیے وہ حضرت حسینؓ کے شہید ہونے کی بھی نفی کرتے ہیں، چنانچہ عباسی صاحب نے اپنی دوسری کتاب ''تحقیق سید وسادات'' میں لکھا ہے:

''حضرات حسنین کے ذکر میں ایک صاحب (حسن) کے بعارضہ ذیابیطس کے وفات پانے اور دوسرے صاحب (حسین) کے سیاسی جھگڑوں میں مقتول ہوجانے کو ایک فرقہ کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر قتل فی سبیل اللہ سے تعبیر کرنا حقیقت سے قطعاً بعید ہے''۔ (تحقیق سید وسادات ص ۲۹۶)

اور لکھا ہے:

''حضرت حسین کی اور ان کے عزیزوں اور بعض ساتھیوں کی عزیز جانیں تو طلب خلافت کے خروج میں اور ہم عصر مسلمانوں کے ساتھ آویزش میں ہی تلف ہوئیں، کربلا کی وضعی داستانوں میں ان کی موت کو شہادت عظمٰی کا درجہ دیا جاتا ہے، شہید تو وہی ہے جو دین کی حمایت اور کفار کے مقابلہ میں اپنی جان قربان کرے ایسی شہادت قتل فی سبیل اللہ تو رسول اللہ ﷺ کے نواسوں میں آپ کے سب سے بڑے نواسے حضرت علی بن ابوالعاص کی تھی'' (ص ۲۹۴)

اور اس کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کے صفحہ ص ۲۴۰ پر بھی لکھا ہے:

''حضرت حسین اور ان کے عزیزوں کی قیمتی جانوں کے یوں ضائع ہوجانے کا تصور تو آج بھی ہمارے دلوں میں حزن وملال کے تأثرات پیدا کرتا ہے''

حضرت حسین ؓ کی شہادت کو سیاسی جھگڑوں میں قتل، اور طلب خلافت کے خروج میں جان تلف اور ضائع ہونے سے تعبیر کرنا یہ مسئلہ کا کس قدر غلط اور جانبدارانہ جائزہ اور توہین آمیز نظریہ ہے وہ کسی اہل علم وفہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

حضرت حسنؓ کی وفات :

محقق عصر عباسی صاحب نے ’’تحقیق سید وسادات‘‘ کی عبارت بالا میں تو لکھا ہے کہ حضرت حسن نے بعارضہ ذیابیطس وفات پائی، مگر اس سے قبل ص ۲۹۴ کی عبارت میں لکھا ہے ’’حضرت حسن نے بعارضہ تپ محرقہ چالیس دن بیمار رہ کر وفات پائی تھی‘‘ اور خلافت معاویہ ویزید کے ص ۱۴۲ پر لکھا ہے ’’۴۸ھ میں حضرت حسن نے وفات پائی آپ تپ دق کے مہلک مرض میں فوت ہوئے تھے نہ زہر خوردنی سے جو محض غلط مشہور ہے‘‘

یہ ہے تحقیق محقق عصر کی کہ کہیں کچھ لکھ دیا کہیں کچھ لکھ دیا۔

اوپر کے اقتباسات سے عباسی صاحب کا نظریہ واضح ہے کہ ان کے نزدیک حضرت امام حسینؓ محض نواسہ رسول اور فرزند علیؓ ہونے کی حیثیت سے ہی خلافت کے استحقاق کا دعویٰ فرماتے تھے، دوسری کوئی بات موجب فضیلت اور باعث منقبت ان کے نزدیک حضرت موصوف میں نہیں پائی جاتی تھی اور ان کے نزدیک حضرت موصوف کا یزید کے خلاف یہ اقدام بھی بے جا وبے محل ناجائز خروج قرار پاتا ہے اسی لیے وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کی بجائے سیاسی مقتول سمجھتے ہیں اور چونکہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا بھی انکار کرتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک حضرت حسینؓ ان فضائل ومناقب کے بھی مستحق ومصداق نہیں ہیں جو قرآن وحدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ثابت ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات عالیہ سے روگردانی اور اعراض کرنے کا جواز عباسی صاحب کے ہاتھ کیسے آگیا جن سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل کا ثبوت ان کے نام کی تصریح کے ساتھ ہو رہا ہے۔

ایک حدیث میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا محبوب بھی فرمایا ہے اور خدا تعالیٰ سے آپ کی محبوبیت کے لیے دعا بھی فرمائی ہے۔

حدیث ترمذی میں ہے:

" فقال هذان ابنای وابناابنتی اللهم انی احبهمافاجبهما واحب من یحبهما"۔ (ص،۲۱۷،قدیمی کتب خانہ)

ترجمہ: حسن وحسین یہ دونوں میرے بیٹے، میری بیٹی کے بیٹے، اے اللہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کواپنا محبوب بنااور جوان سے محبت کرتو بھی ان سے محبت کر۔

اس طرح کی احادیث کا عباسی صاحب کے نزدیک آخر کیا مطلب ہے؟ کیا خدا اور رسول کے محبوب (حضرت حسین) کی سیرت ایسی ہی تھی جس کا نقشہ عباسی صاحب نے اپنی اس کتاب میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، تعصب کی انتہا ہے کہ یزید کی طرفداری میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مسلک وموقف کومسخ کرنے اور آپ کی سیرت کا حلیہ بگاڑنے کے لیے پوراز ورلگادیا گیا ہے، کیا یہ وہی حسین رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہونے کی بشارت نام لے کرآنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی مگرافسوس کہ سرداری جنت کی یہ حدیث بھی عباسی صاحب کے نزدیک وضعی ہے (جیسا کہ آگے معلوم ہوگا)۔

اسی طرح "لایزال الاسلام عزیزاالی اثنی عشر خلیفة" کا مصداق امراء بنی امیہ کو بتاتے ہوئے بھی عباسی صاحب سخت تعصب کا شکار ہوئے ہیں کہ انہوں نے ان خلفاء میں خلفاء راشدین کوشمار نہیں کیا بلکہ ان کے نزدیک سب سے پہلے خلیفہ جواس حدیث کے مصداق ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، پھرآگے چل کرتو حد ہی کردی کہ امراء بنی امیہ کی تعداد بارہ کے بجائے جب چودہ بن گئی تو آخری امیر کوتواس لیے اس میں شمار نہیں کیا کہ اس پرحکومت بنی امیہ کا خاتمہ ہوگیا، لیکن اس کے باوجود بھی بارہ کے بجائے تیرہ امراء رہے تو درمیان سے امت محمدیہ کے مجدد اور عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے خلیفہ راشد کوبھی ان خلفاء کی فہرست سے پوری بے دردی کے ساتھ خارج کردیا گیا جن کے زمانہ میں اسلام کے طاقتور اور مضبوط رہنے کی پیشین گوئی اس حدیث مذکور "لایزال

الاسلام عزیزاالی اثنی عشر خلیفة" میں دی گئی ہے۔

عباسی صاحب کا احادیث کے ساتھ ناروا سلوک :

عباسی صاحب کا احادیث کے ساتھ بے جا سلوک ان کی کتاب میں کئی جگہ ملے گا مثلاً:

(۱) ص :۲۴۴ پر صحیحین کی حدیث کو اس لیے "محل نظر" قرار دے دیا کہ اس کی رو سے عمرو بن سعد زمانہ نبوی کا مولود ثابت نہیں ہوتا اور عباسی صاحب کو یہ ثابت کرنا تھا کہ عہد نبوی کا مولود ہے۔

(۲) نیز ص ۴۰۵ پر ابوداؤد وغیرہ صحاح کی حدیث "خلافة النبوة ثلثون سنة ثم یوتی اللّٰہ الملك من یشاء" (ابوداؤد ص ۲۵۹) کو وضعی ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ وہ عباسی صاحب کے نقطہ نظر کے بالکل خلاف ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس وضعی حدیث کے راوی حشرج بن نباتہ الکوفی تمام ائمہ رجال کے نزدیک ایک ضعیف الحدیث اور لایحتج بہ ہیں، منکر الحدیث ہیں ، یہ حدیث حشرج سعید بن جمہان مصری سے روایت کرتے ہیں کہ جن کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی اور حضرت سفینہ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا، ان دونوں کے سنین وفات میں ۶۲ برس کا فرق ہے، پھر یہ سعید تو بصرہ کے رہنے والے تھے اور حضرت سفینہ مدنی ہیں وہیں ان کی وفات ہوئی انہوں نے یہ حدیث ان سے کب سنی اور کہاں سنی۔ (ص ۴۰۵)

حالانکہ ابوداؤد کی حدیث مذکور میں سعید بن جمہان سے حشرج کی بجائے سلیمة الوارث بن سعید روایت کرتے ہیں ابوداؤد کی سند میں یہ حشرج نہیں ہیں اور بخاری کی تاریخ صغیر ص ۹۷ پر سعید بن جمہان نے حضرت سفینہ سے ملاقات کا ثبوت بھی ہوتا ہے۔

(۳) ص ۱۳۶ پر حدیث "لعل اللّٰہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین" کی صحت میں شک وشبہ کا امکان مان لیا ہے۔

(۴) اسی طرح ص، ۲۵ پر لکھ دیا "مگر روایتوں میں جو کتب احادیث وغیرہ میں بھی درج ہیں اور "البدایہ والنہایہ" میں بھی ان (عائشہ) کی عمر بوقت نکاح چھ برس کی اور بوقت

خلوت صحیحہ نو برس کی بتائی گئی ہے ان وضاعین کو یہ خیال کیسے آتا کہ آنحضور ﷺ کی ذات اقدس پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے"۔

حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان بخاری شریف میں موجود ہے کہ نکاح کے وقت میری عمر چھ سال کی تھی اور خلوت صحیحہ کے وقت نو برس کی "قالت تزوج النبی ﷺ وانا بنت ست سنین (الی) فاسلمنی الیه وانا یومئذ تسع سنین" (بخاری: ج ۱، ص ۵۵۱،) بخاری میں ہونے کے باوجود بھی مؤلف ان روایتوں کے راویوں کو "وضاع" کہہ رہے ہیں۔

مؤلف کی ایک دوسری کتاب :

اس جگہ یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عباسی صاحب کی ایک دوسری تالیف "تحقیق سید و سادات" کے بھی چند اقتباسات ناظرین کے سامنے پیش کر دیے جائیں کیونکہ ان سے ان کا نظریہ احادیث کے متعلق معلوم کرنے میں مدد ملنے کے علاوہ عباسی صاحب کے دوسرے عقائد کا علم بھی ہوگا اور یہ اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ وہ بھی منکرین حدیث کے گروہ کی طرح احادیث کو مجروح اور زخمی کرنے میں بڑی بے باکی اور جرأت سے کام لیتے ہیں اور اپنی غرض و مقصد کے خلاف دیکھ کر جس حدیث کو چاہتے ہیں موضوع قرار دے دیتے ہیں، دراصل عباسی صاحب کا نقطہ نظر احادیث کے متعلق بالکل وہی ہے جو منکرین احادیث کا ہے۔

۸ لاکھ ۹۳ ہزار ۲۳۱ حدیثوں کو وضعی جعلی اور مہمل قرار دینا :

عباسی صاحب لکھتے ہیں:

"احادیث کی سب سے پہلی کتاب الموطا امام مالک متوفی ۱۷۹ھ میں نہ مناقب کی حدیثیں ہیں اور نہ جنت کی سرداری کی، امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ

اور امام مسلم ۲۶۱ھ نے صحیحین میں جوانان جنت کی سرداری کی کوئی حدیث نہیں لی، حالانکہ ان دونوں ائمہ حدیث نے تقریباً نولاکھ حدیثوں کے انبار میں سے جوان حضرات نے جمع کیا تھا صرف دوہزار سات سو اکسٹھ حدیثیں اپنے اصول پر منتخب کیں باقی آٹھ لاکھ ترانوے ہزار دو سو اکتیس کو وضعی وجعلی اور مہمل قرار دے کر رد کر دیا" (ص ۲۴۳، ۲۴۴)

عبارت بالا میں عباسی صاحب نے آٹھ لاکھ ترانوے ہزار دو سو اکتیس حدیثوں کو کس بے دردی سے وضعی وجعلی اور مہمل قرار دے دیا، اور پھر کس دیدہ دلیری سے امام بخاری اور امام مسلم کی طرف غلط طور پر یہ بات منسوب کردی کہ ان دونوں اماموں نے حدیثوں کی اتنی بڑی مقدار کو وضعی وجعلی اور مہمل قرار دے دیا ہے، حالانکہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جن احادیث کو اپنی اپنی صحیح میں روایت نہیں فرمایا ان سب کو کہیں بھی وضعی وجعلی اور مہمل قرار نہیں دیا، یہ عباسی صاحب کا ان بزرگوں پر محض افتراء اور خالص بہتان ہے، جس کا ان کے پاس کچھ ثبوت نہیں ہے، بلکہ امام بخاری سے منقول ہے "قال البخاری مااوردت فی کتابی هذاالاماصح ولقدتركت كثيرامن الصحاح"۔ (مقدمہ مشکوٰۃ للشیخ دہلوی اور مقدمہ بخاری شریف محدث سہارنپوری)

"امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں صرف صحیح حدیثیں ہی نقل کی ہیں اور بہت سی صحیح حدیثوں کو میں نے ترک کر دیا ہے"۔

اسی طرح امام مسلم کا قول ہے:

"قال مسلم الذی اوردت فی هذاالکتاب من الاحادیث صحیح ولااقول ان ماتركت ضعيف"۔

"جو حدیثیں میں نے اس کتاب میں نقل کی ہیں وہ صحیح ہیں لیکن میں یہ

نہیں کہتا کہ جو احادیث میں نے چھوڑ دی ہیں وہ ضعیف ہیں"۔

مقدمہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ:

"ان البخاری ومسلمالم یحکمابانه لیس احادیث صحیحة غیر ماخرجاه فی هذین الکتابین

یعنی امام بخاری اور امام مسلم نے یہ حکم کہیں نہیں لگایا کہ جن حدیثوں کو انہوں نے اپنی دونوں کتابوں میں روایت نہیں کیا وہ صحیح نہیں ہیں اور امام بخاری سے یہ بھی منقول ہے کہ:

"انه قال حفظت من الصحاح مائة الف حدیث ومن غیر الصحاح مائتی الف"۔ (مقدمہ مشکوٰۃ)

ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دولاکھ غیر صحیح حدیثیں میں نے یاد کی ہیں۔

جب ایک لاکھ حدیثیں امام بخاری کو ایسی یاد تھیں جو صحیح تھیں تو پھر وہ صحیح بخاری میں درج شدہ حدیثوں کے علاوہ دوسری حدیثوں کو جعلی اور موضوع کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اور خود مسلم شریف میں ہی امام مسلم نے فرمایا ہے "قال لیس کل شیء عندی صحیح وضعته ههناانماوضعته ههناما اجمعوا علیه" (ص ۴۴ صحیح مسلم) یہ بات نہیں کہ میرے نزدیک جو بھی (حدیث) صحیح ہے اس کو میں نے اس جگہ لکھ دیا ہے یہاں صرف وہ (حدیثیں) لکھی ہیں جن پر اجماع ہے۔

عباسی صاحب کی عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بخاری و مسلم کی احادیث کو تو معتبر مانتے ہیں اور ان کے علاوہ سب احادیث کو "جعلی، وضعی اور مہمل" قرار دیتے ہیں مگر دو ہزار سات سو اکسٹھ (۲۷۶۱) منتخب حدیثوں کی جو تعداد اوپر انہوں نے بتلائی ہے اس سے پھر یہ بات مشکوک ہوگئی۔ کیونکہ صرف صحیح بخاری ہی میں غیر مکرر احادیث کی تعداد چار ہزار ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں بھی چار ہزار کے قریب احادیث ہیں۔

مقدمہ مشکوٰۃ للشیخ دہلوی میں ہے "ومبلغ ما اوردنی هذا الكتاب مع التكرار سبعة آلاف ومائتان وخمس وسبعون حديثاً وبعد حذف التكرار اربعة آلاف" اسی طرح مقدمہ بخاری للشیخ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری میں ہے۔اور مسلم شریف کے مقدمہ کے متعلق "فتح الملہم" میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "قال الجزائری واما صحیح مسلم فجملة مافيه باسقاط المكرر نحو اربعة آلاف حديث"۔(مقدمہ ص ۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ صحیحین کی بھی سب حدیثیں عباسی صاحب کو مسلم اور قبول نہیں ہیں بلکہ ان میں سے صرف دو ہزار سات سو اکسٹھ حدیثیں ان کے نزدیک معتبر ہیں باقی سب غیر معتبر ہیں۔

عباسی صاحب نے ص ۲۴۴ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ "بخاری کی اصل احادیث کی تعداد ۲۷۶۱ ہے اور مکررات کے اعتبار سے ۷۲۷۰ ہے، ہم نے شمار اصل احادیث کا کیا ہے"۔

اس حاشیہ کے تو یہ معنیٰ ہوئے کہ سوائے بخاری کے ان کے نزدیک مسلم شریف کی احادیث بھی "وضعی جعلی اور مہمل" ہی قرار پائیں، کیونکہ دو ہزار تین سو چھبیس (۲۳۲۶) حدیثیں تو ایسی ہیں کہ جن کی روایت میں بخاری اور مسلم دونوں شریک ہیں۔

مقدمہ مشکوٰۃ میں ہے "مجموع الاحاديث المتفقة عليهما الفان وثلثمائة وستة وعشرين" تو اب متفق علیہ احادیث کی تعداد کے علاوہ تقریباً چار ہزار احادیث میں سے مسلم شریف کی چار سو پینتیس (۴۳۵) حدیثیں عباسی صاحب قابل اعتبار سمجھتے ہیں باقی ہزاروں حدیثیں مسلم شریف کی بھی "جعلی وضعی اور مہمل" قرار دیتے ہیں، استغفر اللہ العظیم

عباسی صاحب کا بخاری شریف کے ساتھ سلوک:

اس کے علاوہ بخاری شریف میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حدیث "سيدة نساء اهل الجنة" موجود ہے مگر عباسی صاحب کا نظریہ اس کے بارہ میں یہ ہے کہ:

"خاتونان جنت کی سرداری کی کوئی حدیث اس عنوان کے تحت اسناد کے

ساتھ درج نہیں ہے۔ابواب کی فہرست میں صرف یہ الفاظ ہیں "باب مناقب فاطمة" مگر مطبوعہ نسخہ میں اس عنوان کے ساتھ "قال النبی ﷺ فاطمة سيدة نساء اهل الجنة" بغیر اسناد کے لکھ دیا ہے، حالانکہ امام بخاری ہر حدیث کی اسناد درج کرتے ہیں، شاید اس نسخہ کے کاتب کا یہ اضافہ ہو۔

(ص ۲۴۹)

عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث پر وضعی ہونے کا حکم لگانا :

آگے چل کر ص ۲۵۲ پر تو صاف طور سے ہی اس کے موضوع ہونے کا حکم لگا دیا ہے لکھتے ہیں:

"کہنا یہ ہے کہ "مصباح الظلم" کے مؤلف نواب امداد امام صاحب نے "سيدا شباب اهل الجنة اور سيدة نساء اهل الجنة" کی وضعی حدیثوں ہی کی بنا پر "خلعت سیادت" کا دربار خداوندی سے مرحمت ہونا بیان کیا ہے"۔

عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث سے استہزاء اور تمسخر :

مزید برآں عباسی صاحب "بخاری شریف" کے "باب علامات النبوة فی الاسلام" سے دو روایتوں کو نقل کر کے ایک جگہ اس کے مضمون پر اس طرح استہزا اور تمسخر کے ساتھ بھی پیش آئے ہیں، لکھتے ہیں:

"پھر حدیث بیان کرنے والے نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے کہلوایا میں روئی تو آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم تمام جنت والی عورتوں کی یا یہ فرمایا کہ تمام مسلمانوں کی سردار ہو گی، پس اس وجہ سے میں ہنسی ۔پہلی میں ہنسنے کا سبب یہ بتلایا ہے کہ آپ کے قرابت داروں میں سے پہلے وہی عالم ارواح میں آپ سے ملیں گی اور دوسری میں سبب ہنسنے کا خاتونان جنت کی سرداری کی بشارت بتایا گیا ہے۔راوی نے کسی حدیث میں یہ نہیں

بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جو تین سگی بہنیں ان سے پہلے عالم ارواح میں پہنچ چکی تھیں وہ ان سے پہلے اپنے والد ماجد سے کیوں نہ ملیں گی"۔ (ص۲۴۹)

مگر عباسی صاحب کو کون سمجھائے کہ مفارقت کے سبب صدمہ زندوں کو ہوا کرتا ہے اس لیے ان کو ہی ملاقات کی خوشخبری سے تسلی دینے کی ضرورت ہوتی ہے، نہ وفات شدہ کو۔ اس حدیث کا روئے سخن زندہ قرابت داروں کی طرف ہے، باقی رہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہنسنے کا سبب تو حدیث میں جن دو سببوں کا تذکرہ ہے وہ دونوں سبب ہو سکتے ہیں اور دونوں میں بڑی مناسبت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بعد جلدی ملاقات کے مژدہ کے ساتھ خاتونان جنت کی سرداری کی خوشخبری بھی سنادی۔ مگر عباسی صاحب ایک کو دوسرے کے منافی سمجھ کر رد کرنے کے درپے ہیں۔

ترمذی شریف کے متعلق :

عباسی صاحب ترمذی شریف کے بارہ میں بھی ایک جگہ رقمطراز ہیں:

"سیدا شباب اهل الجنة" کی حدیثیں بھی امام بخاری اور امام مسلم نے یقیناً زمرہ موضوعات میں قرار دے کر صحیحین میں درج نہیں کیں اور نہ بعد میں کسی وراق کو اندارج کا موقع ملا، امام بخاری کی وفات سے تقریباً ۲۴ برس بعد محدث ابو عیسیٰ محمد ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے یہ وضعی حدیثیں اپنی کتاب میں البتہ درج کر دیں۔ (ص۲۴۴)

لیکن امام بخاری اور امام مسلم "سیدا شباب اهل الجنة" کی حدیث اپنی اپنی صحیح میں درج بھی کر لیتے تو کیا عباسی صاحب سے یہ امید تھی کہ وہ اس کو تسلیم کر لیتے اور اس کو اپنی "تحقیق و ریسرچ" کی خراد پر چڑھا کر وضعی نہ قرار دیتے جیسا کہ انہوں نے حدیث "سيدة نساء اهل الجنة" کو باوجودیکہ وہ بخاری میں موجود ہے وضعی قرار دے دیا۔

عباسی صاحب کی یہ بھی عجیب تحقیق و ریسرچ ہے کہ امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ اور

محدث ابو عیسیٰ محمد ترمذی متوفی ۲۷۹ھ کی وفات کے زمانہ میں ۲۴ سال کے فرق ہونے سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ امام ترمذی نے یہ وضعی حدیثیں امام بخاری کی وفات کے تقریباً ۲۴ سال بعد اپنی کتاب میں درج کرلیں، حالانکہ محدث ابو عیسیٰ محمد ترمذی نے اپنی کتاب جس میں یہ حدیث درج ہے ان کی اپنی وفات سے...... برس پہلے تالیف کرلی تھی۔

ناظرین کرام غور فرمائیں گے کہ مؤلف نے بخاری شریف کی حدیث "سیدة نساء اهل الجنة" کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا ہے ایک جگہ تو اس کے بغیر اسناد تعلیقاً روایت ہونے پر اس کے متعلق یہ حکم صادر کردیا کہ وہ کاتب کا اضافہ ہے، حالانکہ تعلیقات بخاری بھی محدثین کے نزدیک حکم میں متصل کے ہیں مگر عباسی صاحب کو محدثین سے کیا غرض اور ان کے اصولوں سے انہیں کیا واسطہ ہے اور یہ بھی تو دیکھیے کہ اس اضافہ پر انہوں نے کونسی دلیل بیان کی ہے؟ کیا بخاری کے کسی دوسرے نسخے میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں؟ اور اب تک جب کسی محدث اور شارح نے اس پر تنبیہ نہیں فرمائی کہ یہ اضافہ ہے تو اس کو اضافہ کیسے کہا جاسکتا ہے، اس طرح تو ہر جگہ اضافہ کا احتمال ہو کر پوری کتاب سے ہی اعتماد اٹھ جاتا ہے، مگر اب آ کر غلطی کی اصلاح کی تو عباسی صاحب نے کی، جن کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ بخاری میں تعلیقات بھی ہوتی ہیں بلکہ وہ تعلیق (بغیر اسناد کے ذکر کرنے) کو کاتب کا اضافہ سمجھتے ہیں ؎ بریں علم و دانش بباید گریست

اس طرح تو بخاری شریف میں بہت جگہ اضافات ثابت ہوسکتے ہیں کیونکہ اس میں تعلیقات بھی کثرت سے ہیں۔

طرفہ تماشا یہ کہ دوسری جگہ جب بخاری شریف میں ہی یہ حدیث سند کے ساتھ آئی ہے تو اس کو تمسخر اور استہزا کے ساتھ رد کردیا اور ص ۲۵۲ پر تو اس کو صاف طور سے وضعی حدیثوں میں شمار کرلیا جیسا کہ اوپر گذرا۔

حقیقت یہ ہے کہ بخاری شریف کے ص ۵۱۲ پر یہ حدیث " سیـدة نسـاء اهـل الجنة" اسناد کے ساتھ پہلے گذر چکی ہے پھر ص ۵۳۲ پر اس کو بخاری نے تعلیقاً بغیر اسناد کے ذکر کر دیا ہے کیونکہ بخاری کا طریقہ ہے کہ وہ کسی حدیث کو بغیر اسناد کے ذکر کر دیتے ہیں ہیں جس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ حدیث معلوم ہے اور اس کا ذکر گذر چکا ہے، مقدمہ بخاری میں ہے:

" وقـديـذكـر الـمتـن بـغيـر اسـنـاد وقديورد معلقاً وانمايفعل هذا لانه ازادالاحتـجاج للمسألة التى ترجم بهاواشار الى الحديث لانه كان معلوماً وقديكون مماتقدم وربماتقدم قريباً"۔ (ص،۵)

کبھی متن کو بغیر سند کے ذکر کرتے ہیں اور کبھی تعلیقاً اور یہ اس لیے کہ وہ مسئلہ مترجم بہا پر دلیل کے طور پر اس کو ذکر کرتے ہیں اور حدیث کی طرف بھی اشارہ مقصود ہوتا ہے۔

عباسی صاحب کا التحیات کے بعد درود شریف کا اور ہر درود میں آل محمدؐ کے ہونے کا انکار کرنا :

ایک اور جگہ اپنی اس تحقیق "سید و سادات" میں عباسی صاحب لکھتے کہ "درود میں خواہ تشہد کا ہو یا عام درود آل محمد کا شمول عہد صحابہ میں ثابت نہیں" (ص ۲۸۲) آگے چل کر لکھتے ہیں:

"اسی طرح دیگر صحابہ ابو ہریرہ ، ابوموسی الاشعری ، ابن زبیر رضی اللہ عنہم ، نیز ام المومنین (حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا کے تشہدات بھی کتب احادیث میں درج ہیں ، مروجہ درود ان میں سے کسی میں شامل نہیں کیونکہ اصلی درود تو خود التحیات ہی کی عبارت میں شامل ہے......التحیات کا یہ درود "صلـوا عليـه وسـلـمو ا تسليما" کی صحیح صحیح تعمیل ہے، صحابہ آپ کی حیات میں یہی پڑھتے تھے جب آپ کی وفات ہوگئی ضمیر خطاب ترک کر کے " السلام على النبى ورحمة

اللہ وبرکاتہ" پڑھنے لگے"۔(ص ۳۱۱)

دیکھا آپ نے التحیات کے بعد نمازوں میں "اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد" الخ کے الفاظ سے جو درود شریف تمام امت مسلمہ پڑھتی ہے اور اس میں آل محمد کا کلمہ شامل ہے مگر عباسی صاحب کے نزدیک اس پر امت کے تعامل وتوارث کے باوجود اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک اصلی درود تو التحیات ہی کے اندر "السلام علیك ایھاالنبی" میں شامل ہے اور اسی سے عباسی صاحب کے نزدیک حکم خداوندی "صلوا علیه وسلموا تسلیما" کی صحیح صحیح تعمیل ہو جاتی ہے التحیات میں "السلام علیك ایھاالنبی ورحمة اللہ وبرکاته" سے "سلموا تسلیما" کی تعمیل کا ہو جانا تو واقعی امر ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے کہ اس میں حضور ﷺ پر سلام عرض کیا جاتا ہے جس کا حکم "سلموا تسلیما" میں دیا گیا ہے مگر اس سے "صلوا علیه" صلوۃ عرض کرنے کی تعمیل کا بھی ہو جانا عباسی صاحب کا اپنا خود ساختہ اجتہاد ہے جو تمام امت مسلمہ کے خلاف ہے۔

حکم عرض صلوٰۃ کی تعمیل تو "اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد" الخ درود شریف کے پڑھنے سے ہی ہوگی جیسا کہ تمام امت درود شریف کے ذریعہ تعمیل کرتی ہے، مگر عباسی صاحب کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ ان کا اجتہاد تمام امت مسلمہ کے اجماع کے خلاف ہے یا موافق ہے اسی واسطے وہ ایک جگہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے اجماعی اور قطعی عقیدہ کے انکار کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

امام مہدی اور نزول عیسیٰ اور قتل دجال کا انکار :

عباسی صاحب لکھتے ہیں:

"ہمیں امامیہ (شیعہ) کے مہدی منتظر کی تردید و تکذیب سے تو یہاں بحث نہیں اور نہ عوام میں جو یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ آسمان سے اتریں گے، مہدی کی معیت میں دجال کو قتل کریں گے یہ

باتیں بھی ہمارے موضوع سے خارج ہیں، قرآن شریف میں نہ تو مہدی کاذکر ہے اور نہ نزول عیسیٰ کا"۔ (تحقیق سید وسادات: ص، ۲۰۸،۲۰۹)۔

آپ کو معلوم ہوا کہ عباسی صاحب کو نہ صرف یہ کہ امامیہ کے مہدی منتظر کی تردید وتکذیب سے ہی بحث نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے اور مہدی کی معیت میں دجال کو قتل کرنا بھی ان کے موضوع بحث سے خارج ہے ان کے نزدیک مہدی کے ذکر سے ہی نہیں بلکہ نزول عیسیٰ کے ذکر سے بھی قرآن کریم خالی ہے، اور جس مسئلہ کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے عباسی صاحب اس کے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ "قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے مہدی کی معیت میں دجال کو قتل کریں گے" تو عباسی صاحب کے نزدیک یہ بات عوام میں مشہور کرکھی ہے اس کی ان کے نزدیک کچھ حقیقت نہیں، احادیث کے بارہ میں عباسی صاحب کا نظریہ منکرین حدیث پرویزی وغیرہ کے کس قدر مطابق ہے ناظرین کو اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے، اس سے زیادہ اور کیا کہتے ہیں، پھر اب عباسی صاحب کے منکر حدیث ہونے میں کیا شبہ رہا؟۔

درود شریف میں آل محمدؐ کے انکار کی دلیل کا جواب :

درود شریف میں آل محمد ﷺ کے ہونے کا انکار کرتے ہوئے اور اس کو اضافہ ثابت کرتے ہوئے عباسی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:

"شرح مسلم میں ابو مسعود انصاری کی حدیث جو پہلے درج ہو چکی ہے آپ سے جو یہ ارشاد منسوب ہے کہ "اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد" کہو اس میں آل محمد کا اضافہ ہے اور راوی اس حدیث کا ابو عبداللہ الحکم بن عبداللہ بن سعد الایلی ہے، اس کی دوسری حدیث الہیثمی کے "مجمع الزوائد اور منبع الفوائد" میں بھی ہے، ابو حاتم نے اس راوی کو کذاب کہا ہے،

امام احمد فرماتے ہیں "احادیثه کلهاموضوعة"۔

(میزان الاعتدال ج،اص ۲۶۸،ص ۵۸۲، تحقیق سید وسادات :ص،۳۱۲)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ:

"مسلم شریف کی شرح میں "النووی" نے جو خود شافعی عالم تھے بدری صحابہ حضرت مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث درج ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جب دریافت کیا تھا کہ صلوٰۃ آپ پر ہم کیسے کہیں؟ آپ نے فرمایا کہو "اللھم صل علیٰ محمد" اس میں آل محمد کا شمول نہیں تھا، چنانچہ نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک درود بس اسی قدر ہے اور آل محمد کا اس میں شمول کوئی چیز نہیں لیس بشیء"۔(ص ۲۸۰)

اس کے متعلق گذارش ہے کہ علامہ نووی نے شرح مسلم میں ابومسعود انصاری کی حدیث کے تحت پہلے تو یہ لکھا ہے کہ تشہد (التحات) اخیرہ کے بعد درود شریف کے بارہ میں علماء کا یہ اختلاف ہے کہ بعض کے نزدیک درود شریف پڑھنا سنت ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ سنت ہے اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ واجب ہے اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو ان کے نزدیک نماز ہی صحیح نہیں ہوگی، اس کے بعد علامہ نووی فرماتے ہیں کہ نماز میں تشہد کے بعد درود کے وجوب پر جو ہمارے اصحاب نے حدیث ابومسعود انصاری سے استدلال کیا ہے یہ استدلال اس وقت تک واضح نہیں ہوتا جب تک کہ اس حدیث کے ساتھ اس دوسری روایت " کیف نصلی علیك اذانحن صلیناعلیك فی صلوتنافقال ﷺ قولوااللهم صل علی محمدوعلی آل محمد الخ" کو نہ ملایا جائے کیونکہ اس روایت میں یہ بات صاف طور پر واضح کردی گئی ہے کہ یہ سوال نماز کے اندر درود شریف پڑھنے کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا تھا اور یہ زیادتی "اذانحن صلینا علیك فی صلوتنا" جو اس دوسری روایت میں ہے

اس کے متعلق بھی نووی نے فرمایا ہے کہ یہ صحیح ہے، ابوحاتم ابن حبان اور حاکم ابوعبداللہ نے اپنی اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا ہے اس کے بعد علامہ نووی فرماتے ہیں "والواجب عندا صحابنا اللھم صل علی محمد ومازادعلیہ سنۃ" ہمارے نزدیک واجب "اللھم صل علی محمد" ہے اور اس سے زیادہ سنت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ "اللھم صل علی محمد" تک پڑھنا ان کے نزدیک نماز کے اندر واجب ہے اور "وعلی آل محمد" سے آخر تک پڑھنا سنت ہے، اب عباسی صاحب بتلائیں کہ وہ جو امام نووی کے ذمہ یہ تہمت لگا رہے ہیں کہ وہ "آل محمد" کے شمول کو کہتے ہیں کہ یہ "کوئی چیز نہیں" ہے اس کا ان کے پاس کیا ثبوت ہے؟ جس چیز کو امام نووی اگلی عبارت میں "لیس بشئی" فرما رہے ہیں اس کا تعلق تو "اللھم صل علی محمد" کے بعد "آل محمد" کے بطور وجوب شامل کرنے سے ہے، یعنی یہ کوئی چیز نہیں کہ "آل محمد" کا پڑھنا بھی "اللھم صل علی محمد" کے بعد "آل محمد" کی طرح نماز کے اندر واجب ہے جیسا کہ ایک شاذ قول شوافع کا یہ بھی ہے کہ صلوٰۃ علی محمد کی طرح صلوٰۃ علی الآل بھی نماز میں واجب ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک واجب صرف "اللھم صل علی محمد" تک پڑھنا ہے اور "آل محمد" سے آخر تک پڑھنا سنت ہے اور وجوب صلوٰۃ علی الآل کا قول شاذ ہے "ولنا وجہ شاذانہ یجب الصلوۃ علی الآل ولیس بشیء"۔ (ج۔۱،ص،۱۷۵)

جب امام نووی نماز میں "آل محمد" سے آخر تک پڑھنے کو پہلی عبارت میں میں صراحۃً سنت فرما چکے ہیں تو پھر ان کے "لیس بشیء" فرمانے سے "آل محمد" کے اضافہ ہونے کا اور اس کے شمول کا کوئی چیز نہ ہونا کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟" اور ہمارا ایک شاذ قول یہ ہے کہ آل پر صلوٰۃ واجب ہے مگر یہ کچھ نہیں" حاصل یہ کہ شوافع کے نزدیک صلوٰۃ علی محمد تو بالاتفاق نماز میں واجب ہے اور صلوٰۃ علی الآل کے نماز میں واجب یا سنت ہونے میں

اختلاف ہے راجح اس کا سنت ہونا ہے، بعض نے اس کو بھی واجب کہا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ صلوٰۃ علی الآل کا نماز میں بعض کے نزدیک سنت سے بھی زائد درجہ واجب کا تو ثابت ہے مگر "لیس بشیء" کسی نے نہیں کہا ہے۔

اب یا تو عباسی صاحب نے کم فہمی سے علامہ نووی کی عبارت کا مطلب خود ہی غلط سمجھا ہے یا پھر انہوں نے دیدہ دانستہ ناواقف لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

اب رہا عباسی صاحب کا یہ کہنا کہ "شرح مسلم میں ابو مسعود انصاری کی حدیث جس میں " اللهم صل على محمدوعلىٰ ال محمد" کہنے کا حکم ہے۔ اس میں "آل محمد" کا اضافہ ہے اور اس حدیث کا راوی ابوعبداللہ الحکم بن عبداللہ بن سعد الایلی بن خطاف ہے اور وہ کذاب ہے"۔

سو شرح مسلم میں تو ہرگز اس حدیث کا راوی ابوعبداللہ الحکم بن عبداللہ بن سعد الایلی بن خطاف نہیں ہے بلکہ اس میں اس حدیث کے راوی وہی ہیں جو "خود مسلم شریف" میں ہیں۔ اس لیے کہ یہ حدیث "صحیح مسلم شریف" کی ہے اور اس کی سند "مسلم شریف" میں اس طرح ہے "حدثنايحى بن يحى التيمى قال قرأت علىٰ مالك عن نعيم بن عبدالله المجران محمدبن عبدالله بن زيدالانصارى عبدالله بن زيدهوالذى كان رأى النداء بالصلوٰة اخبره عن ابى مسعود الانصارى الخ"۔ (ج۔ا،ص،۱۷۵)

اس میں راوی مذکور کا کہیں بھی پتہ ونشان نہیں اب اگر کسی دوسری سند میں یہ راوی آیا بھی ہو تو اس حدیث کی صحت پر اس سے کیا اثر پڑ سکتا ہے جبکہ مسلم شریف کی سند میں یہ راوی نہیں ہے۔ عباسی صاحب نے اس راوی کا پتا نہ معلوم کس کتاب سے لگایا ہے اس کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

دوسرے عباسی صاحب اس حدیث کو شرح مسلم کی طرف منسوب کر رہے ہیں حالانکہ یہ حدیث خود مسلم شریف میں موجود ہے اس سے وہ شاید یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ

حدیث صحیح مسلم کی نہیں ہے کیونکہ اگر اس حدیث کا صحیح مسلم میں ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو لوگوں کی نظر میں اس حدیث کی وقعت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور درود شریف میں آل محمد کا ثبوت صحیح مسلم کی حدیث سے ہی ہو جاتا ہے اور پھر اس سے انکار کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اس حدیث کو شرح مسلم کی طرف منسوب کر کے اس کے وزن اور اس کی حیثیت کو کم کرنا منظور ہے۔ اگر عباسی صاحب نظر اٹھا کر شرح مسلم کی اسی صفحہ پر اوپر دیکھ لیتے تو ان کو یہ حدیث مسلم شریف میں ہی نظر آ جاتی اور یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ مسلم شریف کی سند میں یہ مجروح راوی نہیں ہے اور بخاری شریف ج ۲ ص ۹۴۰ پر بھی یہ حدیث مروی ہے اس کی سند یہ ہے:

"حدثنا آدم قال حدثنا شعبة قال حدثنا الحکم قال سمعت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قال لقینی کعب بن عجرة فقال الا اهدی لك هدية ان النبی ﷺ خرج علینا فقلنا یا رسول اللّٰہ قد علمنا کیف نسلم علیك فکیف نصلی علیك فقال قولوا اللهم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد الخ"۔

بخاری کی سند مذکور میں بھی یہ الحکم وہ مجروح راوی نہیں ہے بلکہ یہ الحکم بن عتبہ الکندی ہے ان کے بارہ میں امام نسائی اور ابن مہدی کا قول ہے کہ یہ ثقہ اور ثبت ہیں اور ابن معین اور ابو حاتم بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں "قال ابن مهدی الحکم بن عتبة ثقة ثبت ......وقال ابن معین ابو حاتم والنسائی ثقة زاد النسائی ثبة الخ"۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳۳)

اس شخص کو دیکھ کر صحیحین کی اس متفق علیہ صحیح حدیث کو سند میں ایک مجروح رواى کے ہم نام راوی کو دیکھ کر اور اس کی آڑ لے کر کس طرح لوگوں کو دھوکہ دے رہا ہے اور دلیری کے ساتھ اس کو رد کرنے کی جسارت کر رہا ہے، فالی اللّٰہ المشتکیٰ۔

پھر عباسی صاحب صحیحین کی متفق علیہ روایت کو تو تسلیم کرنے کے دعویدار ہیں مگر

اب اس متفق علیہ روایت کوتسلیم کرنے سے نہ معلوم کیوں گریز کررہے ہیں؟ شاید اس لیے کہ حدیث ان کے نظریہ کے خلاف ہے۔

"تحقیق سید وسادات" کی مندرجہ اقتباسات سے عباسی صاحب کے خیالات وعقائد کا معلوم کرلینا آسان ہے کہ وہ کس نظریہ اور مکتب فکر کے آدمی ہیں کہ ان کے نزدیک احادیث رسول اور آل محمد اور تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا، نزول عیسیٰ، ظہور مہدی اور خروج دجال کی بھی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

اصل موضوع کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کی طرف رجوع :

اب اس کے بعد ہم پھر اصل موضوع "کتاب خلافت معاویہ ویزید" کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ عباسی صاحب نے جو نظریہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق اس کتاب میں پیش کیا ہے جس کا ذکر نمونۃً سطور بالا میں درج شدہ اقتباسات سے واضح طور پر سامنے آچکا ہے، کیا یہ نظریہ اہل سنت والجماعت کا نظریہ ہوسکتا ہے؟ اور کیا کسی بھی دینی عظمت وبزرگی رکھنے والی شخصیت کے متعلق کوئی شخص یہ نظریہ قائم کرسکتا ہے جو عباسی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کے متعلق قائم کیا ہے، اب اگر کسی کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ سرے سے دینی پیشوا تھے ہی نہیں اور اس لیے ان کی شان اقدس میں کسی گستاخی اور بے ادبی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو اور بات ہے ورنہ جو مسلمان بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا دینی پیشوا مانتا ہے اور جس قلب میں بھی ان کی عظمت وبرتری کا عقیدہ موجود ہے وہ ہرگز عباسی صاحب کے ان مندرجات کو اہل سنت کے مسلک کے موافق نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی وہ ان کے نظریات سے اتفاق کرسکتا ہے۔

نزاع کی حقیقت :

کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کی ایک اہم بحث حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے نزاع کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت سے تعلق رکھتی ہے۔

اس بحث میں بھی عباسی صاحب نے حسب عادت بڑی افراط وتفریط سے کام لیا ہے ایک طرف تو انہوں نے یزید کی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے ایسے دعووں سے کام لیا ہے جن کا کوئی ثبوت وہ پیش نہیں کر سکے محض سخن پروری اور عبارت آرائی سے ہی ان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، دوسری طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کیس کمزور کرنے کے لیے مستشرقین تک کا کندھا استعمال کرنا بھی انہیں گوارا ہے۔

عباسی صاحب نے اس نزاع میں یزید کی پوزیشن کو ''ولی عہدی'' کے وقت سے ہی مضبوط کر کے دکھلانا چاہا ہے اور یہیں سے افراط کا معاملہ بھی شروع کر دیا ہے، لکھتے ہیں:

''جہاں تک یزید کی اہلیت وقابلیت کا سوال ہے ان کے عہد میں سب کے نزدیک مسلم تھی''

مگر سب جانتے ہیں کہ سب کے نزدیک مسلم ہونے کا دعویٰ بالکل بے ثبوت ہے اس کو بجز غلو اور افراط کے کچھ نہیں قرار دیا جا سکتا، لیکن عباسی صاحب نے اس پر بھی بس نہیں کیا اس سے بڑھ کر ہی لکھ دیا کہ:

> ''امیر یزید کی ولی عہدی کی اس بیعت سے پہلے کبھی اس اہتمام سے بیعت نہیں لی گئی تھی کہ مملکت اسلامی کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لیے وفود آئے ہوں اور ہر علاقہ کے لوگوں نے بطیب خاطر اس طرح ایک ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو جو اپنی صلاحیتوں اور خدمات ملیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب تھا''۔

ملت کی محبوبیت کا اتنا بڑا دعویٰ اور ثبوت کچھ بھی نہیں؟

عباسی صاحب نے حمایت یزید کے جوش میں غور نہیں کیا کہ بیعت لیے جانے کے جس غیر معمولی اہتمام کا انہوں نے ذکر کیا ہے اور اس کو محبوبیت کا ثبوت بتانا چاہا ہے وہ تو الٹا اس محبوبیت کے خلاف ہی کچھ ثبوت فراہم کرتا ہے اور حقیقتاً اس اہتمام سے جو واقع بھی ہے، یہی معلوم ہوتا ہے کہ بات محبوبیت عام کی تو کجا مسلمہ اہلیت کی بھی نہ تھی، بلکہ وقتی

مصالح اور حالات کے تقاضہ کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقا کی ولی عہدی کی اس تجویز کو قبول فرمایا تھا۔

ولایت عہدی کی کاروائی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام دینا درست نہیں :

ولایت عہدی کی کاروائی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام دینا درست نہیں مگر ولایت عہدی کی اس کاروائی پر جس کی تجویز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحریک کے بغیر ان کے بعض رفقا کی طرف سے ہوئی تھی اور انہوں نے اس وقت کے بعض مصالح کی پیش نظر اس کو قبول فرمالیا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم کرنا اور ان کو اس پر الزام لگانا کسی طرح جائز نہیں ہے، اس لیے کہ خلیفہ کے بعد اس کے رشتہ دار کا جانشین مقرر کرنے کا عدم جواز کسی نص میں نہیں ہے، جانشین کی صلاحیت اور قابلیت پر اس کا دارومدار ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کی اس تجویز کو اپنی دانست میں امت کی بہتری کے لیے قبول فرمایا تھا اور یزید پر نیکی اور صلاحیت کا گمان فرما کر اس کو ولی عہد مقرر فرمایا تھا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اگر اس کی حالت بدلی اور بگڑی ہوئی ظاہر ہوئی تو اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی طرح کا الزام اور حرف نہیں آ سکتا۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

> "اگر امام اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کر دے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے کیونکہ جیسا وہ اپنی زندگی میں سارے امور و معاملات میں قابل اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلہ دے گیا ہے اس میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہیے ...... ان کی مسلمہ عدالت اور صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہوئے زبان ان کے بارے میں بدگمانی کا خیال ظاہر کرنے سے گنگ ہے"
>
> (مقدمہ: ص،۲۴)

عباسی صاحب کا ایک نکتہ :

عباسی صاحب نے یزید کی پوزیشن کو مضبوط کرنے کے لیے ایک نکتہ یہ بھی پیدا کیا ہے کہ "حضرت حسین یزید کی ولایت عہد کے بعد بھی حضرت معاویہ کے آخری دم تک حسب معمول ہر سال دمشق جاتے اور عزیزوں کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقیم ہوتے اور گرانقدر وظائف وعطایا حاصل کرتے رہے" اور یہ کہ "حضرت حسین کے خروج سے پہلے تک ان کے اور یزید کے تعلقات بہت خوشگوار اور انس ومحبت کے رہے"۔

مگر کمزوری یہ ہے کہ عباسی صاحب نے اس کا کوئی مستند حوالہ پیش نہیں کیا، یزید کے حق میں وہ بغیر کسی حوالہ کے ہی بات منوانے کے خواہشمند رہتے ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آخری دم تک حضرت حسین کا حسب معمول ہر سال دمشق جانا اور وظائف وعطایا حاصل کرنا اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کی بریت کا ثبوت تو ہوسکتا ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس ولایت عہد کے مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم نہیں سمجھتے تھے مگر ان کے ساتھ حسب معمول تعلقات رکھنے سے یزید کی پوزیشن کسی طرح مضبوط نہیں ہوتی۔

غرضیکہ عباسی صاحب نے یزید کی صفائی اور بیجا حمایت میں پورا زور صرف کردیا ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس کے خلاف اقدام کرنے کو ناجائز خروج اور بغاوت ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

حضرت حسینؓ کا مؤقف :

حالانکہ اکابر امت کی آراء کے تحت ناظرین پر واضح ہوچکا ہے کہ یزید کے بارہ میں فسق وفجور اور شرب خمور کی نسبت عام طور پر شہرت کے اس درجہ پر پہنچ چکی تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ دوسرے بعض حضرات کو بھی یزید کے فسق وفجور کا یقین ہوچکا تھا، اسی وجہ سے حضرت حسین نے یزید کے خلاف اقدام کیا تھا۔

یزید کے خلاف اقدام کا جواز :

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام یزید کے خلاف ایسے وقت میں کیا تھا کہ اس وقت تک اس کی حکومت کو استحکام اور تسلط حاصل نہیں ہوا تھا اور صورت حال یہ تھی کہ نہ تو حجاز کے مرکزی شہروں نے عام طور پر اس کی حکومت کو تسلیم کیا تھا اور نہ ہی عراق کے لوگوں نے اس کی بیعت کی تھی صرف شام کے لوگوں نے ہی عام طور پر یزید کی حکومت کو تسلیم کیا تھا۔

جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام کیا تھا اس وقت تک یزید کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی اس لیے کہ اول تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یزید کی ولی عہدی کے وقت اہل حل وعقد نے اس کی بیعت سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ دوسرے اگر اس وقت بیعت پر تمام اہل حل وعقد کا اتفاق بھی ہو جاتا تب بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ حجت شرعیہ نہیں تھا اس لیے کہ جدید خلیفہ کے انتخاب کا جو حق اہل حل وعقد کو حاصل ہوتا ہے وہ خلیفہ اول کی وفات کے بعد ہوتا ہے۔ ایک خلیفہ کی زندگی میں کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے وہ حق ساقط نہیں ہوتا۔ اسی اصول کی بنا پر جب خلیفہ سلیمان نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ولی عہد بنایا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کو کافی نہیں سمجھا بلکہ خلیفہ سلیمان کی وفات کے بعد عام استصواب کے لیے فرمایا۔ جب سب اہل حل وعقد نے آپ کی خلافت کو تسلیم کر لیا تب آپ نے اس کو قبول کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بھی متصلاً تمام اہل حل وعقد کا یزید کی بیعت پر اتفاق نہیں ہوا تھا صرف شام کے لوگوں نے یزید کی حکومت کو تسلیم کیا تھا۔

جب صورت حال یہ تھی کہ ابھی تک کل اہل حل وعقد کے اتفاق نہ کرنے کی وجہ سے یزید کی حکومت پورے طور پر قائم ہی نہیں ہوئی تھی اور جو شخص (یعنی یزید) حکومت پر مسلط اور قابض ہونا چاہتا تھا اس کے فسق وفجور کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یقین تھا تو اس کے خلاف اقدام کے جواز میں کسی شبہ کی گنجائش کیونکر ہو سکتی ہے۔

اب مؤلف صاحب اگراس معقول وجہ سے اغماض اور چشم پوشی کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو ناجائز خروج اور بغاوت کہتے ہیں تو کہا کریں، مگر اہل سنت والجماعت اس اقدام کو صحیح اور جائز ہی کہتے ہیں۔

محمود احمد عباسی کے نزدیک چاہے کردار خلیفہ کی کوئی خامی یا برائی ایسی نہ ہو کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک کردار خلیفہ خامیوں سے ملوث اور برائیوں سے داغدار تھا تو کیا ان حالات میں ایسے شخص کو برسر اقتدار آنے سے حتی المقدور روکنے کی کوشش کرنا ان پر فرض نہیں تھا؟ خصوصاً جبکہ ایسے اقدام کے جواز کے لیے مدعی خلافت کا نااہل ہونا یا ملت کے نقصان کا صرف اندیشہ ہونا ہی کافی ہے، اگرچہ مدعی خلافت صالح ومتدین ہی کیوں نہ ہو، فسق وفجور کا گمان ایسے اقدام کے جواز کے لیے ضروری نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایسے وقت میں کہ حکومت ابھی تک قائم نہیں ہوئی تھی ایسے شخص کو برسر اقتدار آنے سے روکنے کی کوشش کی جو ان کے خیال میں فسق وفجور اور بعض دیگر وجوہ کی بنا پر مستحق خلافت نہ تھا، ظاہر ہے کہ یہ اقدام ایسے وقت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر فرض تھا خاص طور پر جبکہ انہیں اعوان وانصار کے بھی میسر آنے کی قوی امید تھی اور مددگاروں کے دعوتی خطوط کی کثرت سے ان کو ظن غالب بھی اپنی کامیابی اور مد مقابل کی مدافعت کا ہو چکا تھا۔

مزید برآں اس اقدام پر ان کو ایک یہ امر بھی مجبور کر رہا تھا کہ انہیں یزید کی بیعت نہ کرنے پر قتل کا اندیشہ بلکہ یقین تھا جیسا کہ ''البدایہ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جواب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ایک مقولہ بایں الفاظ نقل کیا ہے ''لان اقتل مکان کذا کذا، احب الی ان اقتل بمکۃ وتستحل بی'' (البدیہ ج ۸ ص ۱۶۵) حالانکہ خلافت کے قائم ہو جانے کے بعد بھی ہر ہر فرد کے ذمہ بیعت کرنا فرض نہیں ہوتا، فرض صرف اتنا ہے کہ

کوئی فرد اطاعت سے سرکشی اور بغاوت نہ کرے، اب جبکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت نہ کرنے پر خوف قتل بھی تھا تو مدافعت عن النفس اور اپنی جان بچانے کی خاطر یہ اقدام اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا نظریہ بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موافق تھا چنانچہ "کامل ابن اثیر" میں ہے:

"فقال له ابن الزبير اما لو كان لي بها مثل شيعتك لماعدلت عنها ثم خشي ان يتهمه فقال له اما انك لو اقمت بالجماعة ثم اردت هذا الامر ههنا لما خالفنا عليك وساعدناك وبايعناك ونصحناك الخ"

(کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۷۵)

ابن الزبیر نے ان سے کہا کہ اگر میرے ساتھ تیری طرح گروہ ہوتا تو میں کبھی عدول نہ کرتا، پھر وہ تہمت سے ڈرتے ہوئے کہنے لگے اگر آپ جماعت کے ساتھ رہتے پھر اس معاملہ کا ارادہ رکھتے تو ہم آپ کی مخالفت نہ کرتے بلکہ تائید و بیعت اور خیر خواہی کرتے۔

مصالحت کی تین تجویزیں :

غرضیکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس اقدام کو اپنا شرعی فرض سمجھ کر ہی نکلے تھے، مگر بعد میں جب معاونین (کوفہ میں بلانے والے وہ لوگ جنہوں نے آپؓ کو خطوط لکھے تھے اور آپؓ سے تعاون کا وعدہ کیا تھا، اُنہوں) نے بدعہدی کی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر (خوف اور لالچ میں) یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی جس سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حکومتِ یزید کے (کوفہ میں) استحکام اور کامل طور پر اس کے قیام کا علم ہو گیا تو اس وقت آپ کے اس (کوفہ جانے کے) نظریہ میں بھی تبدیلی آ گئی اور آپ نے عبداللہ بن

زیاد (یزید کے گورنر) کے مقرر کردہ فوجی افسر عمرو بن سعد کے سامنے تین تجویزیں پیش کر دیں۔

(۱) مجھے مدینے واپس جانے دو (۲) مجھے ترکوں کی سرحد پر جانے دو تا کہ باقی زندگی کفار کے ساتھ جہاد میں گذار دوں (۳) مجھے یزید سے ملنے دو میں خود اس کے ساتھ فیصلہ کر لوں گا۔

عمرو بن سعد نے اگرچہ ابن زیاد کو ان میں سے کسی ایک تجویز کے قبول کر لینے کا مشورہ بھی دیا تھا مگر شمر کے کہنے پر ابن زیاد نے ان تینوں مصالحتی تجویزوں کو رد کر دیا۔

ان خالص امن پسندانہ مصالحت کی تجویزوں کو مسترد کر کے ابن زیاد کا صرف (یزید کی) بیعت پر اصرار کرنا اور اس کے بغیر مصالحت کی کسی تجویز پر آمادہ ہی نہ ہونا خالص ظالمانہ اور سنگدلانہ رویہ تھا جس کو ابن زیاد وغیرہ عمال یزید نے حضرت رسول خدا ﷺ کے اہل بیتؓ کے حق میں روا رکھا۔

سید الشہداء :

شریعت اسلام کسی شخص کو اس بات پر مجبور نہیں کرتی کہ وہ اپنی جان اور اپنے اہل و عیال کو اپنے اختیار سے ظالموں کے قبضہ میں دے دے اور ذلت کی زندگی قبول کر لے اس لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عزت نفس اور کمال عزیمت کا راستہ اختیار کیا اور مردانہ طریقہ سے ظالموں کا دفاع اور مقابلہ کر کے اپنی جان اور اہل و عیال کی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے مقام شہادت حاصل کر لیا اور "من قتل دون ماله وعرضه فهو شهيد" کے مصداق ثابت ہوئے۔

نیز حدیث "سيد الشهداء يوم القيمة حمزة بن عبدالمطلب ورجل قام الى امام جائر فامره ونهاه فقتله" (للاوسط بضعف جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۲۸) کے بموجب سید الشہداء کے لقب سے ملقب ہوئے۔

فائدہ :

اس حدیث میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ سید الشہداء کا اطلاق ایسے شخص پر بھی کیا گیا ہے جو امام جائر کے مقابلہ میں شہید ہوئے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقابلہ بلاشبہ امام جائر سے تھا، تو اب سید الشہداء کا اطلاق حضرت امام کے اوپر اسی حدیث کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کے مطابق ہی ثابت ہو جاتا ہے، جس حدیث کے اول حصہ کی وجہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کہا جاتا ہے، اس سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا جو بعض اہل علم کو پیش آیا کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لقب کسی صحابی کو عطا فرمایا ہے اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے لہٰذا اس بنا پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو سید الشہداء کہنا جائز نہیں، مگر اسی حدیث میں حضرت حمزہ پر سید الشہداء کے اطلاق کے ساتھ ایسے شخص پر بھی اس کا اطلاق کیا گیا ہے جو امام جائر کے مقابلہ میں شہید ہو جائے۔

در حقیقت شبہ مذکور حدیث کے صرف ابتدائی حصہ کے پیش نظر واقع ہوتا ہے ورنہ پوری حدیث کے ملاحظہ کر لینے کے بعد یہ شبہ باقی نہیں رہتا، کیونکہ خود اس حدیث میں ہی تصریحاً سید الشہداء کا اطلاق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے شخص پر بھی لسان نبوت نے فرمایا ہے پھر اس لقب کے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہونے کے کیا معنیٰ ہوئے؟۔

لفظ امام :

فائدہ نمبر۲ اسی طرح امام حسین کو امام کہنے میں بھی کچھ حرج نہیں، اگرچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی بیعت کے ذریعہ حکومت وخلافت میسر نہیں ہوئی اور اس اصطلاحی معنی کے اعتبار سے آپ امام نہیں تھے کہ آپ کو حکومت ملی مگر لفظ امام کا اطلاق مطلق دینی پیشوا کے متعلق بلانکیر شائع اور ذائع ہے حتی کہ محاورات شرعیہ عرفیہ میں یہ لفظ پیش نماز پر بھی

بولا جاتا ہے اور اس کو امام کہا جاتا ہے اور اس کو عباسی صاحب نے بھی اپنی کتاب ''تحقیق سید و سادات'' میں تسلیم کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''عام لغوی معنوں میں یہ لفظ امام تو محض امیر، خلیفہ، حاکم، مقتدا و پیشوا نیز حدیث وفقہ وغیرہ علوم میں مہارت تامہ رکھنے والے حتی کہ پیش نماز کے لیے مستعمل ہے''۔ (ص، ۳۰۵،سید و سادات)

اور کسی نے اس کو اس وجہ سے منع نہیں کیا کہ اس سے شیعوں کی اس مصطلحہ امامت کا شبہ ہوتا ہے جس کے لوازم میں سے ان کے یہاں عصمت (گناہوں سے معصوم ہونا) ہے، جو کہ اہل سنت کے نزدیک صرف انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کا خاصہ ہے، اس میں کوئی اور شریک نہیں ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ چونکہ یقیناً دینی پیشوا اور مذہبی مقتدا ہیں اس لیے بایں معنی ان پر لفظ امام کا اطلاق بلاشبہ جائز ہے، مگر عباسی صاحب کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے اس لفظ امام کا استعمال گوارا نہیں ہے لکھتے ہیں:

''حضرت حسن و حسین جو نہ امیر تھے نہ حاکم اور نہ عالم حدیث وفقہ میں کوئی درجہ ان کو حاصل تھا، علاوہ ازیں نہ کسی جہاد میں امیر یا سپہ سالار ہوئے اور نہ امیر حج ہوئے اس لیے وہ اپنے زمانہ میں کبھی امام نہیں کہلائے، ان کے ناموں کے ساتھ لفظ امام کا استعمال جبکہ نام کے آخر میں علیہ السلام بھی ہو یقیناً تشبہ بالروافض کے باعث ناجائز ہی نہیں حرام ہے اور ختم نبوت کے انکار کا مستلزم''۔ (تحقیق سید و سادات ص ۳۰۵)

عباسی صاحب کی دھاندلی ملاحظہ ہو کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی امیر و حاکم ہونے کی نفی کر دی، حالانکہ حضرت حسن ۶ رماہ تک امیر و حاکم بھی رہے ہیں اور ان دونوں کے مذہبی مقتداء و پیشوا ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں ہے اور اس اعتبار سے ان کو امام کہنے کا جواز بھی ثابت ہے اور اہل سنت اسی اعتبار سے ان کو امام کہتے بھی

ہیں مگر عباسی صاحب نے اس سیدھی اور صحیح بات کو چھوڑ کر لفظ امام کے آخر میں علیہ السلام کا ضمیمہ ملا کر اور اس میں تشبہ بالروافض پیدا کر کے اس کو ناجائز ہی نہیں حرام بنا کر دم لیا، اچھا! ان کے ناموں کے ساتھ لفظ امام کا استعمال جب کہ نام کے آخر میں علیہ السلام بھی ہو یقیناً تشبہ بالروافض کے باعث ناجائز ہی نہیں حرام ہے تو لفظ امام کا استعمال جبکہ نام کے آخر میں علیہ السلام نہ ہو تو اس وقت اس کے استعمال جو جائز تھا اس کو ناجائز صورت کے ساتھ کیوں خلط کر دیا؟۔

باقی رہا یہ شبہ کے اس لفظ کے اطلاق میں مشابہت ہے شیعوں کے ساتھ یہ شبہ تشبہ اور تشابہ میں فرق نہ کرنے پر مبنی ہے حالانکہ دونوں میں بون بعید اور بہت فرق ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ اہل بیت کا مرتبہ اہل سنت کے نزدیک جو کچھ ہے وہ معلوم ہے البتہ ان کو شیعوں کا اپنے اعتقاد کے موافق دوسرے حضرات صحابہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم وغیرہ ہم سے افضل سمجھنا افراط اور غلو ہے لیکن اگر حب آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم شیعوں میں پائی جاتی ہے اور وہ اس میں غلو اور افراط سے کام لیتے ہیں یا یہ محبت آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی درجہ میں شیعوں کے ساتھ خاص سمجھی جانے لگے تو کیا اہل سنت والجماعت کو یہ رائے دی جائے گی کہ وہ حب آل نبی کو بھی چھوڑ دیں کیونکہ اس میں شیعوں سے مشابہت ہوتی ہے؟۔

یا یہ کہا جائے گا جیسا کہ امام شافعی نے فرمایا ہے، ولنعم ماقال۔

ان کان رفضاحب آل محمد

فلیشہد الثقلان انی رافضی

الغرض عباسی صاحب کا یہ کہنا کہ ”حضرت حسین کا یہ اقدام یزید کی حکومت کے خلاف بغاوت ہے“ بالکل غلط ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ اس قائل کو اصول شرعیہ سے ناواقفیت کے ساتھ مستند تاریخی روایات سے بھی ذرہ بھر واقفیت نہیں ورنہ تاریخ صحیح پر نظر رکھنے والا شخص حضرت امام کے اس اقدام کو بغاوت کہنے کی ہرگز جرأت نہیں کرسکتا،

یا پھر عباسی صاحب کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض وعناد اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو دیدہ دانستہ توڑ مروڑ کران سے اپنا غلط مطلب نکالنا چاہتے ہیں کیونکہ تفصیل بالا سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام کسی قائم شدہ حکومت کے خلاف نہیں تھا جسے بغاوت کہا جاسکتا ہو، اس لیے کہ اس وقت تک نہ تو حجاز کے مرکزی شہروں نے عام طور پر اس کی حکومت کو تسلیم کیا تھا اور نہ ہی عراق کے لوگوں نے بیعت کی تھی، مکہ، مدینہ، کوفہ اور اسی طرح کے دوسرے اسلامی مرکزی شہروں کے استصواب کے بغیر صرف اہل شام کا یہ مرتبہ نہیں تھا کہ وہ خلافت اسلامیہ کا گھر بیٹھے فیصلہ کر لیتے۔

حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد پر شبہ کا جواب :

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر اہل شام کی بیعت کے بغیر اس کا انعقاد کس طرح ہو گیا؟ کیونکہ آپ کی بیعت کرنے والا مہاجرین وانصار کا گروہ تھا جس کو یہ حق حاصل تھا کہ اس کے مشورہ سے ہی خلافت کا انعقاد ہو، مگر اہل شام کی یہ پوزیشن نہ تھی کہ استصواب رائے عامہ کے بغیر صرف ان کی بیعت سے حکومت مستحکم ہو جاتی اور حالت یہ تھی کہ ہر جگہ مخفی اور ظاہری طور پر ہر طرح سے یزید کی حکومت کے خلاف نفرت عام تھی، ایسی حالت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے علم وفضل اور اپنے مرتبہ کی وجہ سے یہ ذمہ داری ان پر عائد ہو رہی تھی کہ نااہل لوگوں کو برسر اقتدار آنے سے روکیں اور جہاد کے میدان میں نکلیں خصوصاً جبکہ ہر طرف سے مسلمانوں کی نگاہیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی رہنمائی کی منتظر تھیں اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی درخواستیں بھی ان سے کی جارہی تھیں۔

حضرت حسینؓ کو اس اقدام سے روکنے کی اصل وجہ :

حضرات اہل بیت کے جن افراد کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس اقدام سے روکنے کا ذکر عباسی صاحب نے کیا ہے اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ حضرات یزید کے حسن کردار کی وجہ

سے اس اقدام کو نا جائز سمجھتے تھے جیسا کہ عباسی صاحب نے لکھا ہے بلکہ ان حضرات کی نظر کوفیوں کی بے وفائی پر تھی اور ان کا خیال تھا کہ اس آزمائش میں قدم رکھ کر اس سے عہدہ برآ ہونا بظاہر اسباب مشکل معلوم ہوتا ہے اور اس برائی کے روکنے کے لیے جس طاقت کے مہیا ہونے کی ضرورت ہے ان کے خیال میں وہ بھروسہ کے قابل نہیں ہے۔

دوسری طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اجتہاد یہ تھا کہ اس وقت حالات ایسے ہیں کہ اس برائی کو اس کے مستحکم ہونے سے پہلے روکا جاسکتا ہے اور کوفیوں کے مواعید اور خطوط کی کثرت کے پیش نظر ان کو اطمینان اور غالب گمان اپنی کامیابی کا ہو گیا تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور مانعین میں یہی اجتہادی اختلاف حالات کے سازگار اور موافق ہونے یا نہ ہونے کے بارہ میں ہو رہا تھا ورنہ حکومت یزید کے متعلق مدافعت کی تدبیر کے جواز سے کسی کو اختلاف نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا مؤقف:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابل اہل عراق کا یہ اقدام کہ ان کو شہید کر دیا محل انکار اور قابل اعتراض تھا چنانچہ ''بخاری شریف'' کی درج ذیل حدیث سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے تأثرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث بخاری شریف:

''عن ابن ابی نعم قال کنت شاھدالابن عمروسئلہ رجل عن دم البعوض فقال ممن انت؟ قال من اھل العراق قال انظروالٰی ھذا یسئلنی عن دم البعوض وقد قتلوا ابن النبی ﷺ وسمعت رسول اللہ ﷺ یقول ھماریحانتای من الدنیا''۔

(بخاری: ج۲، ص۸۸۶، ج۱، ص۵۳۰)

حضرت ابن ابی نعم فرماتے ہیں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

حاضر تھا کہ ایک شخص نے ان سے مچھر کو مارنے کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے دریافت فرمایا: تمہارا تعلق کس قوم سے ہے؟ اس نے جواب دیا میں اہلِ عراق میں سے ہوں۔ اس پر ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دیکھو! یہ شخص مجھ سے مچھر کو مارنے کے بارے میں سوال کر رہا ہے حالانکہ یہ نواسہ رسول ﷺ کو قتل کر چکے ہیں۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسن و حسین میری دنیا کی بہار ہیں۔

اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مؤقف درست تھا مگر دوسری مصلحتوں کی بنا پر انہوں نے یزید سے بیعت کر لی تھی

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جنہوں نے یزید سے بیعت نہیں کی تھی اور مکہ مکرمہ میں اس کے خلاف اپنی حکومت قائم کر لی تھی ان کی شہادت پر جب شامیوں نے خوشی میں تکبیر کہی تو بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا تھا "خدا کی قسم جن لوگوں نے ابن زبیر کی ولادت کی خوشی میں تکبیر کہی تھی وہ لوگ ان سے بہتر ہیں جو ان کے قتل پر خوشی میں تکبیر کہہ رہے ہیں۔ (حاشیہ ابن کثیر: ج۔۳، ص،۵۔ بحوالہ البدایہ والنہایہ)

فسق یزید اور مؤقف صحابہ کرامؓ :

عباسی صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس مؤقف کو کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا اس کی دلیل قرار دیا ہے کہ:

"نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے"۔ (خلافت: ص۔۱۳۰)

مگر ان کی یہ دلیل حقیقت واقعیہ کے قطعاً خلاف ہے اس زمانہ کے سب بزرگ خواہ انہوں نے یزید سے بیعت بھی کر لی تھی مگر وہ بھی یزید کے فسق کے قائل تھے۔

اب رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یزید کے خلاف یزید کی نااہلیت اور اس کے فسق و فجور

پر متفق ہونے کے باوجود اس کے خلاف اقدام نہ کرنا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حالات کے سازگار نہ ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف اقدام کو مفید اور نتیجہ خیز نہیں سمجھا اس لیے وہ اس کے خلاف نہیں کھڑے ہوئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ دوسرے حضرات نے اس اقدام کو مفید اور مثمر تصور فرمایا اس لیے وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، یہ ایک اجتہادی اختلاف تھا جو اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں یزید کے خلاف اقدام کرنے کے بارہ میں رونما ہوا۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

"ولما حدث في يزيد ما حدث من الفسق اختلف الصحابة حينئذ في شانه. فمنهم من رأى الخروج عليه ونقض بيعته من اجل ذلك كما فعل الحسين وعبدالله بن الزبير ومن اتبعهما في ذلك ومنهم من اباه لما فيه من اثارة الفتنة وكثرة القتل مع العجز عن الوفاء به الخ"۔ (مقدمہ ۱۷۷)

اب جب یزید سے بداعمالیاں آزادانہ صادر ہونے لگیں تو اس کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف الرائے تھے بعض نے اس کے خلاف اٹھنے اور بیعت کو فسخ کرنے کا ارادہ کیا، جس طرح حضرت حسین وعبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم نے یا انہوں نے جو ہر دو اصحاب کے متبعین تھے۔ اور بعض نے اس کے خلاف قدم اٹھانے کو خلاف مصلحت جانا اس خوف سے کہ کہیں فتنہ وفساد کی آگ نہ بھڑک اٹھے اور کشت وخون کا بازار نہ گرم ہو جائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی خیال تھا کہ اگر یزید کے خلاف قدم بھی اٹھایا تو اس کو نبھا نہ سکیں گے، الخ۔

"واما غير الحسين من الصحابة الذين كانوا بالحجاز ومع يزيد بالشام والعراق ومن التابعين لهم فرأوا ان الخروج على يزيد وان

كـان فاسقًالا يجوز لماينشأ عنه من الهرج والدماء فاقصروا عن ذٰلك ولـم يتـابعـواالحسين ولاانكرواعليه ولااثموه لانه مجتهد وهواسوة المجتهدين"۔ (مقدمہ:ص۔۱۸۱)

ترجمہ: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام جو حجاز میں تھے یا یزید کے پاس شام وعراق میں تھے اوراسی طرح ان کے تابعین یزید پر خروج کو نامناسب جانتے تھے اگرچہ وہ فاسق ہی تھا کیونکہ اس میں فتنہ وفساد وخونریزی کا خطرہ تھا۔ اسی لیے وہ اس سے بچے رہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا مگر یہ بھی نہیں کہ ان کو برا بتاتے یا ان کو گنہگار ٹھہراتے کیونکہ آخر آپ بھی تو مجتہد تھے اور مجتہدین کی یہی صفت ہے کہ ان کے اختلاف کو باعث گناہ نہیں سمجھا جاتا۔

غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یزید کا ساتھ دینے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ یزید متقی اور پارسا تھا بلکہ اس کو فاسق سمجھتے ہوئے فتنہ نزاع وجدال اور آپس کے خون خرابہ سے بچنے اور اس کو نتیجہ خیز نہ سمجھتے ہوئے اس اقدام میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عملاً ساتھ نہیں دیا تھا۔

اب عباسی صاحب کا اس کو یزید کے حسن کردار کی دلیل بنالینا "تاریخی ریسرچ" نہیں بلکہ تاریخ کی تکذیب ہے، اس لیے کہ اوپر تاریخ سے ثابت ہو چکا کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید کے خلاف اقدام نہیں کر رہے تھے وہ بھی اس کو فاسق سمجھتے تھے اور یزید کے فسق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو رائیں نہیں تھیں۔

دونوں گروہ مجتہد تھے:

حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دونوں گروہ مجتہد تھے اپنے اپنے اجتہاد پر دونوں نے عمل کیا اس لیے نہ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر کوئی شرعی اعتراض ہوسکتا ہے نہ ہی ان دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کسی طرح کا الزام عائد ہوتا ہے

جنہوں نے باہمی خون ریزی اور انتشار کے خطرہ کے پیش نظر اس اقدام میں عملاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا۔

چونکہ یزید کے خلاف اقدام کے قضیہ میں اجتہادی اختلاف کرنے کی گنجائش تھی اور اس میں کئی پہلو ایسے تھے کہ نیک نیتی کے ساتھ شرعاً اختلاف کیا جاسکتا تھا اس لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جو یزید کے خلاف اقدام کیا تھا وہ بھی ان کا ایسا اجتہادی فعل تھا جو شرعاً درست تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے عملاً ان کا ساتھ نہ دے کر بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ظن غالب تھا کہ اس برائی کا ازالہ ہوسکتا ہے اور دوسرے حضرات کو اس کے خلاف ظن غالب تھا، دونوں نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور اس معاملہ میں شرعاً دارومدار ظن غالب پر ہی ہے، علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

"واما الحکم الشرعی فلم یغلط فیه لانه منوط بظنه وکان ظنه القدرة علی ذلك"۔ (ص،۱۸۱)

رہا حکم شرعی تو اس کے سمجھنے میں آپ نے ہرگز غلطی نہیں کی کیونکہ اس کا مدار آپ کے گمان پر تھا اور آپ کا گمان یہی تھا کہ آپ کو خروج پر قدرت حاصل ہے۔

"والحسین فیها شهید مثاب وهو علی حق واجتهاد والصحابة الذین کانوا مع یزید علی حق ایضاً واجتهاد"۔ (مقدمہ،۱۸۱)

اور حضرت امام شہید ہیں اور مستحق ثواب، اور وہ اپنے اجتہاد پر ہیں اور حق بجانب، اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم یزید کے ساتھ تھے وہ بھی چونکہ اپنے اجتہاد پر قائم تھے اس لیے وہ بھی حق ہی کے پیرو مانے جائیں گے۔

علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

"ولا یجب فی المبتدع الا اذا ظنوا القدرة علیه فان تحقیق القیام"۔

(نووی: ج۲،ص،۱۲۵)

اس سے واضح ہے کہ فسق ومعصیت کی وجہ سے کسی کے خلاف اقدام اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس کو اس کے ازالہ پر قدرت کا ظن ہو اور یزید کے خلاف اقدام میں اختلاف کی بنیاد اس کا فسق اور عدم فسق نہیں تھا بلکہ اس کی مدافعت قدرت کا وجود اور عدم وجود تھا۔

اس کتاب کی ایک اور اہم تاریخی بحث :

عباسی صاحب کو چونکہ یزید اور عمال یزید کی طرف سے صفائی پیش کرنے کی بہت فکر دامن گیر رہتی ہے اس لیے وہ ہر رطب ویابس اور کمزور سے کمزور بنیادوں پر بھی صفائی کی عمارت قائم کر لیتے ہیں۔

کربلا کا حادثہ فاجعہ بھی عباسی صاحب کی کتاب کی ایک اہم تاریخی بحث ہے اس میں بھی انہوں نے اپنی عادت کے موافق یزید اور عمال یزید کی طرف سے خوب خوب وکالت کا حق ادا کیا ہے اور جس طرح بھی ان سے بن پڑا اس حادثہ فاجعہ اور اس کے مظالم کی ذمہ داری سے ان کی بریت پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے اس بحث میں دو خاص دعوی جو عباسی صاحب نے کیے ہیں، ایک یہ کہ حادثہ کربلا سے پہلے اور پیچھے کے مظالم کی داستانیں سب وضعی ہیں، دوسرے یہ کہ یہ حادثہ یزید اور عمال یزید کے قصد وارادہ کے بغیر بالکل اتفاقی طور پر پیش آگیا۔

حضرت حسینؓ کے سفر کا آغاز :

وہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت حسین کا سفر ۸/ ذوالحجہ کو نہیں ۱۰/ ذوالحجہ کو شروع ہوا۔

ان کی بحث کمزور ہے تاہم یہ مان لینے کے بعد بھی کہ تاریخ روانگی ۱۰/ ذوالحجہ ہی تھی اس بات کی کوئی مضبوط دلیل ان کے پاس نہیں ہے کہ ۱۰/ محرم سے پہلے قافلہ کربلا میں نہیں پہنچ سکتا۔

حسابی فارمولے اور عام تجربات کو تسلیم کرتے ہوئے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس قافلہ کے حالات غیر معمولی اور خاص نوعیت کے تھے اور غیر معمولی حالات میں مہینوں

کی مسافت ہفتوں میں اور ہفتوں کی دنوں میں طے کر لینے کے واقعات تاریخ میں ملتے ہیں۔

حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کرنا :

عباسی صاحب اگرچہ حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کے لیے بھی ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں مگر وہ نفی میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

کیسی الٹی بات ہے جو اس سلسلہ میں عباسی صاحب نے لکھ دیا ہے کہ:

''عامل مکہ کے بھیجے ہوئے لوگ تو جب آپ بڑھ آئے ہیں پہلے ہی بے نیل ومرام لوٹ گئے تھے اس کے پاس ایسی کوئی فوج نہ تھی جس کے تعاقب کا خوف وہ اس غیر معمولی طریق سفر اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا''۔ (خلافت: ص، ۱۸۰)

حالانکہ عامل مکہ کے قاصدوں کا ناکام لوٹ جانا تو ایک ہوشمند آدمی کے لیے اس کا متقاضی تھا کہ سفر کے طے کرنے میں عجلت سے کام لیا جائے، کیونکہ ایسی حالت میں آگے اور پیچھے دونوں طرف سے خطرہ بڑھ جانے کا قوی امکان تھا۔

گورنر مکہ کے پاس فوجی کارروائی یا پکڑ دھکڑ کی قوت کا نہ ہونا تو گورنروں کی ایسی بے بسی اور مجبوری کو تسلیم کر لینا عباسی صاحب کے سوا کسی اور کے لیے مشکل بات ہے۔

حسینی قافلہ کا بار بردار قافلہ پر قیاس کرنا :

عباسی صاحب نے حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کر کے اس کو نہ صرف یہ کہ تمام قافلوں اور مسافروں کے زمرہ میں شمار کرنا چاہا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اس کو بار بردار (بوجھ اٹھانے والے) قافلوں میں شمار کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اس بحث میں سر رچرڈ ایف برٹن کے اس تجربہ کو وہ اپنا مشاہدہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ حجازی اونٹ کی رفتار جو کارواں کی قطار میں بوجھ سے لدا ہوا چل رہا ہو معمولی حالت کے وقت ایک گھنٹہ میں دو جغرافیائی میل ہوتی ہے''۔ (خلافت: ۱۸۵)

بوجھ سے لدا ہوا، اور وہ بھی معمولی حالت کے وقت، اونٹ کی رفتار کو حسینی قافلہ کی رفتار کے لیے معیار قرار دے کر عباسی صاحب نے جس طرح اپنا مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی ہے کیا اس طرح کی زبردستی اور کھینچ تان ہی کو ریسرچ اور تحقیق کے نام پر پیش کر کے کربلا کے مظالم کی وضعیت کو ثابت کیا جا سکتا ہے؟۔

ایک بڑا خلا:

اس بحث میں ایک بڑا خلا یہ بھی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عمرو بن سعد کے درمیان ہونے والی جو گفتگوئیں مؤرخین نے نقل کی ہیں اور پھر عمرو بن سعد کی جو خط و کتابت عمرو اور ابن زیاد کے درمیان ہوتی بتائی گئی ہے یہ گفتگوئیں اور خط و کتابت کربلا میں حسینی قافلہ کے پہنچنے کے بعد ہوئی اور ان میں ضرور کچھ وقت صرف ہوا ہوگا اور عباسی صاحب نے خود بھی ان گفتگوؤں اور خط و کتابت کی روایات کو تسلیم کر لیا ہے۔

اس طرح عباسی صاحب کے اس دعویٰ کی تردید کا سامان خود ان کی تسلیم کردہ روایات سے ہی مہیا ہو جاتا ہے کہ حسینی قافلہ ۱۰ محرم سے پہلے کربلا میں کسی طرح نہیں پہنچ سکتا اس لیے پانی بند کرنے وغیرہ مظالم کی واقعیت کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

عباسی صاحب کا دوسرا دعویٰ:

دوسرا دعویٰ عباسی صاحب کا یہ تھا کہ:

"کربلا کا حادثہ فاجعہ یزید اور عمال یزید کے قصد و ارادہ کے بغیر بالکل اتفاقی طور پر پیش آ گیا" اس کی بنیاد انہوں نے اس دعویٰ پر رکھی ہے کہ "ابن زیاد نے حسینی قافلہ سے صرف ہتھیار رکھوانے کا حکم دیا تھا اور عمرو بن سعد نے اس غرض سے ان کے گرد گھیرا ڈالا تھا مگر حضرت حسین کے کوفی سبائی ساتھیوں نے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک حملہ کر دیا"۔ (خلافت: ص، ۲۳۹)

مگر عباسی صاحب اس دعویٰ پر کوئی تسلی بخش ثبوت نہیں لا سکے؟۔

پہلا ثبوت :

انہوں نے ایک تو: ص ۲۴۰ پر "انسا ئیکلو پیڈیا آف اسلام" کے مقالہ نویسوں کا بیان اس باب میں پیش کیا ہے لیکن جب تک ان مقالہ نویسوں کی تحقیق کا ماخذ نہ معلوم ہو ان کا بیان قطعاً حجت نہیں، دوسرے یہ کہ عباسی صاحب پہلے لکھ آئے ہیں کہ:

"اور سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ ہی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے"۔ (ص ۴۰)

اس لیے کوفیوں کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اور رفیق سفر کا دعویٰ درست نہیں معلوم ہوتا اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کچھ کوفی آپ کے ہمراہ تھے پھر بھی ان کو عدم صلح اور اشتعال جنگ کے بارہ میں اپنے پیشرو سبائیوں پر قیاس کرنا اور یہ لکھنا کہ "وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے" قیاس مع الفارق ہے، اس لیے کہ جنگ جمل میں مصالحت کی صورت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص سے بچنے کی کوئی صورت ان کو نظر نہیں آ رہی تھی قصاص سے بچنے کی خاطر آتش جنگ کو مشتعل کرنا ان کے لیے ضروری تھا صلح ان کے لیے پیغام موت تھی لیکن یہاں صورت حال بالکل برعکس تھی جنگ کی صورت میں قلت تعداد اور بے سروسامانی کی وجہ سے سخت مصائب کا سامنا تھا فتنہ انگیز اور اشتعال دلانے والے عناصر کو خود کو ایسے صبر آزما حالات میں پھنسانے کے لیے از خود تیار ہو جانا بالکل غیر معقول بات ہے، اس قدر تفاوت اور فرق کے ہوتے ہوئے ان کو پہلوں پر قیاس کر کے جنگ کی تمام تر ذمہ داری حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر ڈال کر ابن زیاد وغیرہ کی براءت ثابت کرنا حقائق پر پردہ پوشی کے سوا اور کیا کہا جائے؟ کیا اسی فریب کاری کا نام ریسرچ ہے؟۔

دوسرا ثبوت :

دوسرا ثبوت وہ یہ دیتے ہیں کہ:

"حسینی قافلے کے بہتر (۷۲) مقتول ہوئے جن میں اکثر وبیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی (۸۸) مارے گئے"۔ (خلافت ص ۲۴۱)

عباسی صاحب کے نزدیک یہ اس بات ثبوت ہے کہ فوجی دستہ صرف مدافعت کرتا رہا لیکن یہ بھی جتنا بے جان ثبوت ہے ظاہر ہے اور شاید عباسی صاحب کو یاد نہیں رہا کہ وہ اپنے ثبوت کی جڑ پہلے ہی کاٹ آئے ہیں ص ۱۳۱ پر وہ لکھ آئے ہیں کہ "عالم اسلام کا ہر فرد پوری طرح مسلح تھا اور اکثر وبیشتر ماہر حرب وضرب" اور اس سے بڑھ کر خاص ان اہل قافلہ کی تو دلیری اور شجاعت وشہامت کا بھی وہ بڑے زور وشور سے اثبات کر آئے ہیں۔ (ص ۱۸۰)

ویسے بھی اگر وہ اکثر وبیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے عمرو بن سعد کی فوج کے لیے ان کا مقابلہ کرنا ہی کیوں ضروری ہوا ان کو ویسے ہی گرفتار کرلیا ہوتا یہ خود ان کے ماہر حرب وضرب ہونے کی دلیل ہے۔

غرضیکہ عباسی صاحب نے یہ ایک نرالا دعویٰ کیا ہے مگر وہ اس کا کوئی قابل توجہ ثبوت فراہم نہیں کر سکے ایسی حالت میں اس پر اصرار کرنا یزید اور عمال یزید کی بے جا حمایت اور پاسداری کا ثبوت مہیا کرنے کے سوا اس کا اور کیا نام رکھا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے نزاع میں عباسی صاحب کو ان کے شدید تعصب نے حق وانصاف کے پالینے سے باز رکھا اور وہ جادۂ اعتدال سے دور ہو گئے اسی طرح مظالم کربلا کی تاریخی طور پر وضعیت ثابت کرنے کے لیے انہوں نے جو بنیاد فراہم کی ہے وہ بھی بہت ہی کمزور اور خالص تحکم کا درجہ رکھتی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں روایات کا تانا بانا تیار کرنے میں تعصب کی شدید دخل

اندازی ہوتی ہے اوراس لیے ان کواصول نقدودرایت پر پرکھے بغیران پر اندھا دھند اعتماد نہیں کرلینا چاہیے مگراس کی تردید کرنے میں عباسی صاحب نے جس بے جا موشگافیوں اور دورازکار قیاس آرائیوں سے کام لیا ہے ان سے بھی حامیان یزید کے ساتھ عباسی صاحب کی بے جا ہمدردی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شدید تعصب کے ثبوت فراہم ہونے کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

تحقیق مزید درباره لعنت بر یزید :

یزید کے بارہ میں علماء اختلاف قدیم سے ہے بعض علمانے تو حدیث بخاری:

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفورلهم"۔

ترجمہ: میری امت کا جو پہلا لشکر قیصر کے شہر کا جہاد کرے گا ان لوگوں کے لیے مغفرت ہو چکی۔

کی وجہ سے اس کو مغفور کہا ہے کیونکہ مدینہ قیصر پر جو اول غزوہ ہوا تھا اس میں اجلہ صحابہ کے ہمراہ یزید بھی تھا جیسا کہ قسطلانی میں ہے:

"کان اول من غزامدینة قیصریزیدبن معاویة ومعه جماعة من سادات الصحابة کابن عمروابن عباس وابن الزبیروابی ایوب الانصاری وتوفی بهاابوایوب سنة اثنین وخمسین من الهجرة کذا قاله فی الخیرالجاری وفی الفتح قال المهلب فی هذاالحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزاالبحرومنقبة لولده لانه اول من غزامدینة قیصرا انتهی"۔ (بخاری: ج۱، ص۴۱۰، حاشیہ۲)

مدینہ قیصر پر پہلا لشکر کشی کرنے والا یزید بن معاویہ ہے اور اس کے ساتھ کبار صحابہ کی جماعت تھی جیسے ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور حضرت ابوایوب

انصاری رضی اللہ عنہم، اور حضرت ابوایوب انصاری کا تو اسی مقام پر ۵۲ھ میں وصال ہوا، اسی طرح خیرالجاری میں ہے۔ اور فتح الباری میں ہے مہلب کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت معاویہؓ کی منقبت ہے کہ کیونکہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے بحری جنگ کی اوران کے بیٹے کی بھی منقبت ہے اس لیے کہ وہی ہے جس نے پہلے پہل مدینہ قیصر پر لشکر کشی کی۔

اور بعض علماء نے اس کی تکفیر کی ہے اوراس کو ملعون کہا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

"فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوافی الارض وتقطعوا ارحامكم اولئك الذين العنهم اللهفاصمهم واعمىٰ ابصارهم - الآية"

ترجمہ: پھر تم سے یہ بھی توقع ہے اگر تم کو حکومت مل جاوے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرواپنی قربتیں یہ ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کردیا ان کو بہرا اور اندھی کردیں ان کی آنکھیں۔

"تفسیر مظہری" مصنفہ مولانا قاضی ثناء اللہؒ صاحب پانی پتی میں ہے:

"قال ابن الجوزی انه روی القاضی ابویعلٰی فی کتابه المعتمد الاصول بسنده عن صالح بن احمدبن حنبل انه قال قلت لابی یابت یزعم بعض الناس انانحب یزیدبن معاویةفقال احمدیابنی هل یسوغ لمن یؤمن باللهان یحب یزیدولم لایلعن رجل لعنه اللهفی کتابه قلت یابت این لعن اللهیزیدفی کتابه قال حیث قال فهل عسیتم - الآیة۔ (مظہری ج۸ص۴۳۴)

ترجمہ: ابن جوزی نے فرمایا کہ قاضی ابویعلی نے اپنی کتاب "معتمد الاصول" میں اپنی سند کے ساتھ جو صالح بن احمد بن حنبلؒ سے ہے، روایت کیا ہے کہ

میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ ابا جان بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت کرتے ہیں، امام احمد نے فرمایا کہ بیٹے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ یزید بن معاویہ سے دوستی رکھے، اور ایسے شخص پر کیونکر لعنت نہ کی جائے جس پر خود حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت فرمائی ہے، میں نے کہا ابا جان! اللہ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت کی ہے؟ فرمایا اس موقع پر جہاں یہ ارشاد ہے فھل عسیتم الخ۔

لیکن تحقیق یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کی موت کا کفر پر ہونا دلیل قطعی سے ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی تکفیر اور اس پر لعنت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس صورت میں لعنت کرنے والے پر لعنت کے واپس لوٹنے کا اندیشہ ہے اس لیے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جب کسی پر لعنت کی جاتی ہے اگر وہ اس لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت اس کے قائل پر لوٹ آتی ہے (العیاذ باللہ) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لعنت کے معنیٰ ہیں خدا کی رحمت سے دور ہونا اور یہ امر وحی کے بتلائے بغیر کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں شخص خدا کی رحمت سے دور ہے۔

اب بلا دلیل اگر یزید کے متعلق دعویٰ کیا جائے کہ وہ خدا کی رحمت سے دور ہے تو اس میں خطرۂ عظیم ہے البتہ اگر وحی کے ذریعہ بھی اس کا رحمت سے دور ہونا معلوم ہو جاتا تو فرعون، قارون اور ہامان کی طرح اس پر بھی لعنت کرنا جائز ہوتا۔

مگر چونکہ کلام باری تعالیٰ اور دوسری نصوص شرعیہ میں نوع ظالمین اور قاتلین مسلم پر لعنت ہے کما قال اللہ تعالیٰ "الا لعنۃ اللہ علی الظالمین، الآیۃ، ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاء ہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ الآیۃ" اور آیت مذکور "فھل عسیتم الآیۃ" میں بھی مفسدین اور قاطعین کی نوع پر ہی لعنت آئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یوں کہا جائے کہ قاتل اور آمر وراضی بقتل حسین پر لعنت ہے تو جائز ہے اس قید سے کہ اگر وہ بغیر توبہ کے مرا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کون اس ظلم

میں داخل ہے اور کون اس سے خارج ہے اب جن اکابر کے نزدیک روایات اور اخبار اور قرائن سے یہ محقق ہو گیا ہے کہ یزید ان مظالم سے راضی اور خوش تھا اور بدوں توبہ کے مر گیا وہ اس پر لعن کے جواز کے قائل ہیں اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں وہ بوجہ حدیث ''منع لعن مسلم'' کے لعن سے منع کرتے ہیں۔ پس جواز اور عدم جواز لعن کا مدار تاریخ اور واقعات کی تحقیق پر ہے، اس مسئلہ کی تحقیق فتاویٰ رشیدیہ اور امداد الفتاویٰ میں دیکھی جائے۔ اس تحقیق کے آخر میں حضرت گنگوہی نے فرمایا ہے:

''اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت (خاموشی) میں ہے کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، لعن نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت، نہ مستحب محض مباح ہے۔ اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلاء ہونا معصیت کا اچھا نہیں'

(فتاویٰ رشیدیہ: ص، ۳۹)

(یاد رہے کہ یہ سکوت صرف لعنت میں ہے نہ کہ اُس کے فسق وفجور میں۔ ر، ن)

حدیث ''مغفور لھم'':

یزید پر جس طرح لعنت کرنا اپنے کو خطرے میں ڈالنا ہے اسی طرح اس مغفور ہونے کا یقینی اور قطعی حکم لگانا بھی سخت زیادتی ہے کیونکہ اس کی مغفرت کی بھی یقینی طور پر کوئی نص صریح نہیں ہے، تو اب صرف کلیات مغفرت میں داخل کر کے اس کی مغفرت کا حکم لگایا جائے گا، جو محض ظنی ہو گا قطعی نہ ہو گا جیسا کہ کلیات لعنت میں اس کا داخل ہونا بھی ظنی ہے اس لیے یزید کے بارہ میں معتدل اور متوسط فیصلہ وہ ہے جو حضرت حکیم الامت تھانوی نے کافی بسط اور تحقیق کے بعد تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

''پس توسط اس امر میں یہ ہے کہ اس (یزید) کے حال کو مفوض بعلم الٰہی کرے (خدا کے سپرد کرے) اور خود اپنی زبان سے کچھ (برا) نہ کہے لان فیہ خطراً (کیونکہ برا کہنے میں خطرہ ہے) اور اگر کوئی اس (یزید) کی نسبت کچھ

(برا) کہے تو اس سے کچھ تعرض نہ کرے (اس کو روکے نہیں) لان فیہ نصراً (کیونکہ برا کہنے والے کو روکنے میں یزید کی حمایت ہے)۔

(امداد الفتاوی مبوب: ج،۵،ص،۴۲۴)

''مسایرہ'' اور اس کی شرح ''مسامرہ'' میں بھی یزید کی تکفیر اور عدم تکفیر کے دونوں قول لکھنے کے بعد اس بارہ میں توقف کو ہی اسلم کہا ہے:

"(وحقیقة الامر) ای الطریقة الثابتة فی شانه (التوقف فیه ورجع امره الی الله سبحانه) لانه عالم الخفیات والمطلع علیٰ مکنونات السرائر وهواجس الضمائر فلا یتعرض لتکفیره اصلاً وهذا هو الاسلم

(ص،۳۱۸،مسامرہ)

طریقہ ثابتہ اور صحیحہ یزید کے متعلق توقف کا ہی ہے اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد کرنا ہی بہتر ہے جو سب حقائق سے واقف ہیں، اسلم طریقہ یہی ہے کہ اس کی تکفیر نہ کی جائے۔ (تکفیر سے مراد اُس پر کفر کا حکم لگانا ہے ورنہ اُس کے فاسق وفاجر ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے۔ ر،ن)

رہا حدیث غزوہ قسطنطنیہ سے مغفرت یزید پر استدلال کرنا سو وہ بالکل ضعیف ہے کیونکہ اول تو وہ مشروط ہے شرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور یہ امر مجہول ہے کہ اس کی وفات ایمان پر ہوئی ہے یا نہیں۔ یا اس سے یہ مراد ہے کہ ''اس جہاد میں شرکت کرنے والوں کی اول وہلہ میں مغفرت ہو کر داخلہ جنت کا استحقاق حاصل ہو جائے گا، یا یہ مراد ہے کہ اس مہم میں شریک ہونے والوں کی آخر کار نجات ہو جائے گی، خواہ مؤاخذہ کے بعد ہی یہ مغفرت حاصل ہو۔

چنانچہ علامہ قسطلانی نے مہلب کے قول مذکور کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"وتعقبه ابن التین وابن المنیر لما حاصله انه لا یلزم من دخوله فی

ذلك العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذلا یختلف اهل العلم ان قوله ﷺ مغفورلهم مشروط بان یکونوامن اهل المغفرة حتیٰ لوارتداحدممن غزاهابعدذٰلك لم یدخل فی ذٰلك العموم اتفاقاًفدل علیٰ ان المرادمغفورلمن وجدشرط المغفرةفیه منهم"۔

(حاشیہ بخاری ج ۱،ص ۴۱۰)

اور ابن التین اور ابن المنیر نے مہلب کے اس قول کی تردید کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید کے اس عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی دوسری خاص دلیل کی وجہ سے اس سے خارج ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ اہل علم میں سے کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضور ﷺ کا یہ قول ''مغفورلہم'' (جہاد قسطنطنیہ کے سب شرکاء بخش دیے گئے) اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ لوگ مغفرت کے اہل ہوں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اس غزوہ کے بعد ان میں سے مرتد ہوجائے تو وہ بالاتفاق اس بشارت میں داخل نہیں رہے گا سے صاف واضح ہے کہ حدیث کی مراد یہ ہے کہ ان میں سے جن افراد میں مغفرت کی شرط پائی جائے گی وہ ہی مغفور ہوں گے۔

مہلب کو قول مذکور کے بعد اس عبارت کو عباسی صاحب نے ''حمایت یزید'' کا حق ادا کرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے اور منقبت یزید کے اثبات کے لیے مہلب کے قول سے استدلال کرتے ہوئے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ علامہ ابن حجر نے اس قول کو منقبت یزید پر بطور استدلال پیش فرمایا ہے حالانکہ اس قول کے نقل فرمانے کے بعد ابن تین اور ابن المنیر کے تعقب پیش کرنے سے علامہ ابن حجر کا مقصد ہی اس قول کی تردید کرنی ہے کہ حدیث کے جملہ "مغفورلهم" کے عموم میں داخل ہونے کی وجہ سے یزید کی منقبت اور فضیلت ثابت ہورہی ہے، اس کا حاصل مطلب بھی یہی نکلا کہ "مغفورلهم" میں مغفرت مشروط

ہے شرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اگر اس غزوہ میں شریک ہونے والے کسی شخص کا ارتداد (نعوذ باللہ منہ) ثابت ہو جائے تو وہ اس بشارت مغفرت میں داخل نہیں رہے گا۔

دوسرے شرط مغفرت علی الایمان کے متحقق ہونے کے بعد بھی قابل غور یہ بات ہے کہ اس حدیث سے جہاد قسطنطیہ میں شریک ہونے والوں کے لیے جس مغفرت کی بشارت دی گئی ہے اس مغفرت سے کیا مراد ہے؟

اب زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوگا کہ ہر وہ شخص جو جہاد مذکور میں اخلاص کے ساتھ شریک ہوگا اس کی وفات ایمان پر ہوگی اور انجام کار اس کی مغفرت ہو کر دوزخ سے نجات حاصل کر لے گا۔ مگر اس سے جہاد مذکور میں شریک ہونے والے ہر شخص کی فضیلت اور منقبت پر کیسے روشنی پڑی کہ اب کسی قسم کی بد عملی اور غلط کاری کا ارتکاب ان میں سے کسی سے نہیں ہوگا؟ اور یہ کیسے ثابت ہوا کہ اس جہادی مہم میں شریک ہونے والا ہر قسم کے مؤاخذہ سے بری اور محفوظ رہے گا اور بغیر مؤاخذہ کے اس کو اول وہلہ میں مغفرت اور داخلہ جنت کا استحقاق حاصل ہو جائے گا؟

یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی شخص پر اس کے قبیح افعال اور ناشائستہ کردار کی وجہ سے گرفت اور مؤاخذ ہو مگر انجام کار اس بشارت مغفرت کی وجہ سے اس کو معافی مل کر مؤاخذہ سے نجات حاصل ہو جائے۔

اسی طرح یزید سے اگر بعض افعال قبیحہ اور امور منکرہ کا ارتکاب ثابت ہو تو وہ اس حدیث بشارت مغفرت کے خلاف نہیں ہے نہ یہ حدیث بلا مؤاخذہ نجات پر دلالت کرتی ہے۔

اس کی نظیر صحیحین کی وہ حدیث جس میں ارشاد ہے "من قال لاالٰہ الا اللہ دخل الجنة" تو کیا اس حدیث سے یہ ثابت کیا جا سکے گا کہ جو شخص بھی اس کلمہ طیبہ کو پڑھ لے گا اس سے اب معاصی کا صدور ہی نہیں ہو سکے گا یا اس پر اب اس کے معاصی اثر انداز

نہیں ہوں گے؟ اور وہ شخص صرف اس کلمہ کی وجہ سے ہی بغیر مؤاخذہ کے اول وہلہ میں ہی جنت میں داخل ہو جائے گا خواہ وہ کتنا ہی گناہوں میں ملوث کیوں نہ ہو۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی اس کلمہ پر موت واقع ہو گی تو آخر کار اس کا جنت میں داخلہ ہو جائے گا خواہ معاصی اور گناہوں کی وجہ سے اس کو چندے سزا بھی بھگتنی پڑے۔

اگر صحیحین کی اس حدیث سے ہر کلمہ گو کے لیے ایسی فضیلت اور منقبت ثابت نہیں ہوتی کہ اس کے معاصی اس پر اثر انداز نہیں ہوں گے اور نہ ہی اس سے ہر کلمہ گو شخص کا بغیر مؤاخذہ کے جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر حدیث قسطنطیہ سے نہ معلوم یزید کی ایسی منقبت اور فضیلت ثابت کرنے کی کیوں کوشش کی جارہی ہے کہ اس جہادی مہم میں شریک ہونے کے بعد وہ ہر قسم کی بدعملی اور گناہوں سے منزہ ہو گیا، اور کیوں یہ سمجھ لیا گیا کہ اول تو کسی قسم کے معاصی کا صدور اس سے ہو گا ہی نہیں اور اگر کچھ گناہ اس سے صادر بھی ہوئے تو اس بشارت مغفرت کی وجہ سے اس کے معاصی اس پر بالکل نظر انداز نہیں ہوں گے اور وہ بغیر کسی مؤاخذہ کے قطعی طور پر جنت میں داخل ہو جائے گا۔

جس طرح شرط مغفرت نہ پائے جانے کی وجہ سے یزید کی تکفیر کرنے والے اس کو "مغفور لھم" کے عموم میں داخل نہیں کرتے اسی طرح "مغفور لھم" سے اول وہلہ میں استحقاق مغفرت مراد لینے والے حضرات نے بھی یزید کی سیاہ کاری اور اس کے اعمال شنیعہ کی وجہ سے اس کو بشارت مغفرت سے محروم سمجھا ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے فرمایا ہے:

"غایت مافی الباب بسبب خرابیہائے پنہاں کہ داشت ہمچوں منافقان کہ دربیعت رضوان شریک بودند بوجہ نفاق رضوان اللہ نصیب اوشان شدیزیدھم ازفضائل ایں بشارت محروم ماند"۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج۱ص۲۵۳)

نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح بیعت رضوان میں منافقین شریک ہوئے اور نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے محروم ہو گئے تو یزید بھی اپنی اندرونی خرابیوں کی وجہ سے اس بشارت کی فضیلت سے محروم ہو گیا۔

حرف آخر:

اس کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کے متعلق اکثر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد۔ لیکن اس کے ملاحظہ کے بعد معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس کے اندر عباسی صاحب نے تاریخی تحقیق کے پردہ میں احادیث صحیحہ کی تردید اور مذہبی نظریات کو بدلنے کی پوری کوشش کی ہے اور تاریخی واقعات پر اس انداز سے بحث کی ہے کہ اس کی زد بالواسطہ طور پر مذہبی عقائد پر بھی آ پڑتی ہے اور اس سے اہل سنت کا مسلک اعتدال مجروح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

عباسی صاحب نے ہزار بارہ سو سال کے عرصہ میں ہونے والے مؤرخین، محدثین مفسرین اور دوسرے علوم وفنون کے ماہرین کی تحقیقات کو مجروح اور ناقابل اعتبار ٹھہرا کر ماضی سے امت کا رشتہ بالکلیہ کاٹ دینے کی بھرپور کوشش کی ہے اور علامہ ابن جریر طبری، ابن کثیر دمشقی، ابن خلدون جیسے مؤرخین کی تحقیقات اور آراء کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کے ساتھ پیش آئے ہیں۔

جن جن ناملائم اور گستاخانہ الفاظ سے یاد کیا ہے اس سے مؤلف کی ذہنیت اور اس کے نقطۂ نظر کا پتہ لگتا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر اس کے مضامین پر یقین واعتماد کر لینے کے بعد پھر اساطین امت، اہل بیت عظام اور دوسرے اعلام ملت مفسرین ومحدثین کرام کی طرف سے بدگمانی اور گستاخی کا پیدا ہو جانا اس کتاب کا خاصہ لازمہ اور ماضی کی بلند پایہ معروف شخصیتوں سے انحراف اور بے اعتمادی اس کا لازمی اثر ہے جس کا تجربہ اور مشاہدہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو دیکھ کر رات دن ہو رہا ہے۔

اس لیے اس کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' اور محمود احمد عباسی کی کل کتابوں کا مطالعہ کرنا دینی اعتبار سے سخت گمراہ کن اور موجب فتنہ ہے۔ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب سابق مہتمم دار العلوم دیو بند رحمہ اللہ کی رائے گرامی اس کتاب کے متعلق بالکل واقعی اور صحیح ہے کہ:

''کتاب کے مضامین مسلک اہل سنت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں''

اب آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام فتنوں سے محفوظ و مأمون رکھے اور احقر کی اس مختصر تحریر کو مسلمانوں کی ہدایت کا سبب اور احقر کے لیے ذخیرہ آخرت بناوے۔

وماذٰلك على الله بعزيز، نعم المولیٰ ونعم النصير اللهم اذاا ردت بقوم فتنة فتوفنا غير مفتون وصلى الله تعالیٰ علیٰ سيد الكائنات واكرم المخلوقات سيدنا ومولانا محمد وعلیٰ آله الاطهار واصحابه الاخيار الیٰ يوم القرار۔

۷؍جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ کو اس کتاب پر مختصر نوٹ پورے ہو گئے تھے پھر دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے اس کو مفصل کرنے کی فرصت نہیں ملی ،تھوڑے تھوڑے وقفے میں تفصیل کرتا رہا، بحمد اللہ آج بروز جمعہ بارہ بجے دن بتاریخ ۲۴؍جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ کو یہ مسودہ پورا اور مکمل ہو گیا۔ والحمد للہ اولاً و آخراً وظاہراً وباطناً۔

سید عبد الشکور ترمذی عفی عنہ

خادم مدرسہ عربیہ حقانیہ

ساہیوال ضلع سرگودھا

ضَمِیمَہ

ترتیب

میاں رضوان نفیس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود احمد عباسی کی
فاطمہ بنت رسولؐ کی توہین اور
''بخاری'' و روایاتِ صحاح کو جعلی قرار دینا

از حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ
مفتی اعظم پاکستان

محمود احمد صاحب عباسی مصنف ''خلافت معاویہ ویزید'' و''تحقیق مزید'' وغیرہ سے بندہ ''لیاقت آباد'' میں رہنے کی وجہ سے ایک عرصہ سے واقف تھا۔ شروع شروع میں روافض دشمنی کی قدر ے مشترک کی وجہ سے عباسی صاحب سے خاصی دوستی تھی۔ کبھی کبھی ان کے کہنے پر بعض عربی عبارتوں کے ترجمہ میں مدد بھی دی اسی طرح بعض کتابوں کے حصول میں معاونت بھی کی۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ روافض کے خلاف عباسی صاحب اچھا کام کررہے ہیں، بلکہ بعض بزرگوں کی ملاقات عباسی صاحب سے بندہ ہی نے کرائی۔ ایک عاشورۂ محرم پر عباسی صاحب کا یہ رنگ بھی دیکھا کہ ان کے مکان پر اچھے خاصے لوگ جمع ہیں، اور عباسی صاحب حضرت زینب بنت النبی ﷺ کا اوران کی اولاد امجاد کا ذکر کررہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ اس منظر سے میں خاصا متاثر ہوا لیکن کچھ دن کے بعد یہ واضح ہوا کہ

موصوف خاصے ناصبی ہیں۔ایک بار میرے اور کچھ لوگوں کے سامنے حضرت فاطمہ الزہراءؓ پر العیاذ باللہ تنقید شروع کر دی اور ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ وہ "اتنی سی تھیں" یعنی ان کا قد چھوٹا تھا۔ میں فوراً کھڑا ہو گیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت فاطمہؓ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

"فاطمہ کو جو چیز اذیت دے وہ مجھے بھی اذیت پہنچاتی ہے۔"

آپ کس طرح خاتون جنت کی غیبت کر رہے ہیں۔ میں نے یہ بھی کہا کہ "بخاری" کی حدیث ہے۔اس پر وہ "بخاری" اور دیگر کتب حدیث پر تنقید کرنے لگے، اور منکرین حدیث کے طرز پر "احادیث صحاح" کو "عجمی سازش" کہنے لگے، اس سے پہلے میں مشہور منکر حدیث تمنا عمادی کو ان کے یہاں دیکھ چکا تھا وہ ان کے بڑے مداح تھے اور ان کی خود ساختہ تحقیقات کے خاصے معترف تھے ان واقعات کے بعد بندہ نے عباسی صاحب کے یہاں آنا جانا چھوڑ دیا، اور مجھ پر واضح ہو گیا کہ یہ شخص ناصبی اور منکر حدیث ہے۔

والعلم عند اللہ تعالیٰ و ھو اعلم

کتبہ

ولی حسن مفتی

دارالافتاء جامع العلوم الاسلامیہ کراچی

۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

(محمود احمد عباسی اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں: ص، ۱۸۰)

(سیدنا علی و حسین رضی اللہ عنہما: ص، ۳۱۷)

عباسی صاحب حقیقۃً کیا تھے؟

(فیصلہ کن اشارات)

از حکیم سید محمود احمد برکاتی

حکیم سید محمود احمد برکاتی صاحب معروف طبیب ہیں نہایت سنجیدہ و متدین عالم و فاضل ہیں، عمدہ صاحب قلم اور نقاد ہیں، دین کے شیدائی اور جری و حق گو ہیں، مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔ تاریخی طبی حکیم فرید احمد صاحب عباسی امروہوی (جو مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' کے بھائی تھے) کے شاگرد رشید ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود احمد عباسی صاحب مرحوم سے میرا تعارف پاکستان آ کر غالباً ۵۴-۱۹۵۳ء میں ہوا تھا۔ انہیں کسی کتاب کی ضرورت تھی اس لیے کسی کی نشان دہی پر میرے یہاں آئے تھے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ہمارے استاد امام طب حکیم فرید احمد صاحب عباسی مرحوم و مغفور کے چھوٹے بھائی ہیں تو ایک قرب کا پہلو نکل آیا اور طرفین کی آمد و رفت شروع ہو گئی ان کے

اوران کے اہل وعیال کی خدمت علاج کے بھی مواقع بارہا ملے، کچھ ہی دن کے بعد ان کی کتاب کے چرچے علمی حلقوں میں شروع ہوئے مگر مطالعے کی لت کے باوجود مجھے اس کتاب کے مطالعے کی اُکساہٹ نہیں ہوئی کیونکہ اہل تسنن اور اہل تشیع کے اختلافات میرا موضوع فکر ومطالعہ ہیں نہ میری افتاد مزاج کو خلافیات سے کوئی مناسبت ہے نہ میں ان مناقشات کو امت محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حق میں مناسب اور مفید سمجھتا ہوں اور تاریخی، کلامی یا فقہی مسالک کے اختلاف کے بجائے عقائد کے اشتراک اور متفق علیہ امور پر نگاہ رکھتا ہوں، بہرحال میں یہ کتاب نہ پڑھ سکا، مگر ایک بار خود عباسی صاحب مرحوم ہی نے مجھے ''خلافت معاویہ ویزید'' عنایت فرمائی، تو اسی مطالعے کی لت کے ہاتھوں اس کا مطالعہ کر گزرا، اور خلاف مزاج پا کر الماری میں سجادی، اور یوں عباسی صاحب کے افکار وآراء کا تعارف حاصل ہوگیا۔ لیکن اس موضوع پر ان سے گفتگو کی کبھی نوبت نہیں آئی حالانکہ انہوں نے بارہا سلسلہ چھیڑا، مثلاً ایک بار انہوں نے فرمایا تم حسنی سید ہو یا حسینی؟'' میں اس سے پہلے کئی حضرات سے سن چکا تھا کہ وہ شجروں اور انساب پر گفتگو کرتے ہیں اس لیے تڑاخ سے جواب دیا کہ ''میں نے آپ سے کب کہا کہ میں سید ہوں؟'' اس پر وہ خاموش ہوگئے، اسی طرح میں نے جب سرسید مرحوم کی کتاب ''سیرت فریدیہ'' ایڈٹ کی، اور اس کے مقدمہ میں سرسید کے سیاسی کردار پر تنقید کی تو عباسی صاحب ایک روز فرمانے لگے، کل ہمارے ایک دوست کہہ رہے تھے کہ تمہارے عزیز (میری طرف اشارہ تھا) نے تمہارے مقتدا (سرسید) پر بڑی سخت تنقید کی ہے۔'' تو میں نے برجستہ جواب دیا کہ جی ہاں وہ صاحب مجھ سے بھی کہہ رہے تھے مگر میں نے ان سے کہہ دیا کہ عباسی صاحب نے ہمارے نانا (سیدنا حسینؓ) کو نہیں بخشا تو ہم ان کے مقتدا کو کیوں بخشتے، اس پر وہ بڑی دیر تک ہنسے اور بات آئی گئی ہوئی۔

عباسی صاحب سے ان ملاقاتوں میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ معمولی صلاحیتوں کے آدمی تھے، عربی غالباً بالکل نہیں جانتے تھے، فارسی پر بھی عبور نہیں تھا، میں نے ان کو فارسی کی

غلط عبارتیں پڑھتے کئی بار سنا ہے، تحریر کا کام بھی وہ مسلسل نہیں کرتے رہے، آغاز عمر میں تاریخ آمرو "تحقیق الانساب" اور "تذکرۃ الکرام" لکھی تھیں، اس کے بہت عرصے بعد، ۷۰ سال سے زیادہ کی عمر میں "خلافت معاویہ ویزید" لکھی، اس کتاب کے سلسلے میں ان کو متعدد اہل علم وقلم کا تعاون حاصل تھا جن میں سے ایک نام کے متعلق مجھے تحقیق ہے اور وہ ہے "مولانا تمنا عمادی" کا نام، جو ان کے لیے کتب تاریخ سے اقتباسات اور ان کے ترجمے لکھ کر بھیجا کرتے تھے، ایک بار وہ عباسی صاحب کے ہاں چند روز مقیم بھی رہے اور وہاں بھی میں نے انہیں یہی کام کرتے دیکھا ہے۔

دوسرا تاثر میرا یہ ہے کہ وہ اپنی تحریک کے سلسلے میں مخلص نہیں تھے زبان وقلم سے ردِشیعیت کے باوجود اہل تشیع سے ان کے گوناگوں مراسم تھے، ایک بار میں پہنچا تو چند نامور شیعہ اہل قلم ان کے یہاں بیٹھے تھے اور بڑا پرتکلف ناشتہ کر رہے تھے اور بہت اپنایت کی باتیں ہو رہی تھیں، ان کے جانے کے بعد از خود صفائی کرنے لگے کہ ان بچوں سے وطن ہی سے مراسم ہیں، بڑی محبت کرتے ہیں، میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں، میں نے "جی" کہہ کر بات ٹال دی کہ مجھے اس سے کیا دلچسپی؟ اسی طرح ایک بار انتخابات میں انہوں نے ایک شیعہ امیدوار کو ووٹ دیا اور میرے سامنے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس کے خاندان سے قدیم مراسم ہیں، اور میں اسے اہل بھی سمجھتا ہوں، ایک بار ان کی اہلیہ محترمہ جو مجھ پر بڑی شفقت فرماتی تھیں اپنے ایک ہمسائے کی شکایت کرنے لگیں کہ "وہ آج صبح انہیں (عباسی صاحب) کو گالیاں دے رہا تھا اور یزید اور یزید کی اولاد تک کہہ گیا۔" اس پر میں نے از راہ تفنن کہہ مارا کہ یہ تو آپ کے نقطۂ نظر کے پیش نظر مدح ہوئی، قدح نہیں ہوئی۔" اس پر وہ بہت برہم ہو گئے اور اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے، اور ان کی اہلیہ محترمہ کہنے لگے کیوں چھیڑتے ہو۔"

مطلب یہ ہے کہ میرے خیال میں وہ دل سے یزید دوست اور شیعہ دشمن نہیں

تھے بلکہ دانستہ یا نادانستہ کسی اسلام دشمن تحریک یا طاقت کا آلہ کار تھے اور افتراق بین المسلمین کی مہم میں سرگرم تھے، میں نے ان میں شیعیت کے مظاہر تو کئی بار دیکھے (مثلاً مجالس تک ان کے یہاں برپا ہوتی تھیں اور وہ ذکر کر کے روتے اور رلاتے تھے) مگر ان کی پابندی احکام شریعت کا کوئی منظر اور واقعہ میرے علم و ذہن میں نہیں ہے، کم سے کم میں نے ان کو کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا نہ کسی سے سنا۔ تجارت اور معاشی منفعت بھی اس مہم میں یقیناً ان کے پیش نظر تھی؟ ایک بار نیاز فتح پوری کا ایک خط انہوں نے دوسرے خط کے دھوکے میں مجھے پڑھنے کے لیے دیا میں بھی جب خط پڑھ چکا تو پتہ چلا کہ یہ وہ مطلوبہ خط نہیں ہے، خط انہیں واپس کیا تو وہ بھی چکرا سے گئے، بہرحال اس خط کا جو مفہوم ذہن میں مستحضر ہے کچھ اس قسم کا تھا کہ:

> "خوب کتاب لکھی ہے، کچھ ہنگامہ گرم رہے گا، لطف رہے گا خوب نکل رہی ہوگی، میں نے بھی اس پر تبصرہ لکھا ہے، کتابی شکل میں بھی آئے گا، اسے وہاں نکلوائیں اور اپنی کتاب کے اتنے نسخے تاجرانہ نرخ پر مجھے بھجوائیں، کہ تبصرہ پڑھ کر کتاب کی مانگ بھی آئے گی۔"

اسی طرح ایک صاحب سے جو نہ خدا کے قائل تھے نہ مذہب کے ان سے اپنی تحقیق کا ذکر کر کے چاہتے تھے کہ وہ رائے دیں، انہوں نے کہا "میری رائے کا کیا کریں گے، میری نظر میں آپ کے حسین اور آپ کے یزید دونوں گھٹیا تھے، عالمی سطح پر ان کی حیثیت نہیں ہے، تاریخ عالم کے اکابر میں ان کو محسوب نہیں کیا جا سکتا، تخت کے دو معمولی امیدوار لڑ پڑے تھے اور ایک مارا گیا" اس پر عباسی صاحب نے تائید اور مسرت کا اظہار ایک قہقہے سے کیا، اور انگریزی میں چند جملے کہے جن کا مفہوم یہ تھا کہ "بالکل یہی رائے میری اور ہر پڑھے لکھے آدمی (ایجوکیٹڈ) کی ہے۔ مگران صاحب (جنٹل مین) کے سامنے بات نہ کیجئے یہ لوگ قدامت گزیدہ (آرتھوڈکس) ہوتے ہیں، عباسی صاحب نے مجھے

انگریزی سے نابلد سمجھا تھا، میں نابلد ہی بنا رہا اور اجازت چاہی جو بڑی خوش دلی سے دیدی گئی، میرے بعد باہم گفتگو ہوئی ہوگی کہ آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں میں تو خود روشن خیال اور آزاد فکر ہوں، مگر ایک فرقے کو بہکانا اور معاشی منفعت حاصل کرنا ہے، اس قسم کے حضرات کو صرف معاشی منفعت ہی حاصل ہو کر رہ جاتی ہے، یا پھر اس کے ساتھ کوئی عالی منصب اور شہرت بھی مگر اصل منفعت تو کفار کو حاصل ہوئی ہے، یہود کو حاصل ہوئی، اسلام دشمنوں کو حاصل ہوئی جنہیں اگر کوئی خطرہ ہے تو اس امت کی بیداری سے ہے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور انہیں تاریخی، کلامی اور فقہی مسائل پر اختلافات کی آگ کو اپنے دامن دولت سے ہوا دیکر فروزاں کرتے ہیں۔

ان کے مسلک کے بودے پن کے سلسلے میں یہ دلچسپ واقعہ بھی سننے کا ہے، ایک بار معلوم ہوا کہ لاہور سے حکیم حسین احمد صاحب عباسی مرحوم آئے ہوئے ہیں اور محمود احمد عباسی صاحب کے یہاں مقیم ہیں۔ چنانچہ میں اور میرے رفیق درس اور عزیز دوست (حکیم جامی صاحب جو ''کوٹری'' سے حسین میاں سے ملنے کے لیے ہی تشریف لائے تھے) عباسی صاحب کے یہاں پہنچے، حسین میاں تو نہیں ملے، البتہ عباسی صاحب ضرور مل گئے اور حسب عادت وہی موضوع چھیڑ دیا، میں حسب دستور تحمل سے کام لیتا رہا مگر جامی صاحب تحمل کے قائل نہیں اور رد باطل کے لیے ہمہ وقت آمادہ و مستعد رہتے ہیں اور زبان و بیان تک کی اغلاط کی تصحیح کو جہاد سمجھتے ہیں چنانچہ عباسی صاحب اسلامی تاریخ کے مآخذ پر گفتگو کر رہے تھے اور ''طبری'' وغیرہ کو نامعتبر بتا رہے تھے، اچانک سیدنا حسینؓ کے لیے فرمانے لگے انہیں ''خناق'' کا مرض تھا اور اطبا نے لکھا ہے کہ اس مرض میں مبتلا انسان کی قوت فیصلہ بہت متاثر ہو جاتی ہے۔ اب جامی صاحب کے جہاد کی گھڑی آ گئی تھی، عباسی سے پوچھا کہ یہ بات کس نے لکھی ہے؟ عباسی صاحب روانی میں کہہ گئے کہ ''طبری'' نے لکھا ہے اس پر جامی صاحب نے ایک بڑے زہریلے قسم کے طنزیہ قہقہہ سر کیا، اور بولے جی ہاں وہی طبری

جو نا معتبر ہے، اس پر عباسی صاحب نے اپنے موقف کے ضعف کو اپنی براہمی سے قوت میں بدلنا چاہا اور آپے سے باہر ہو گئے، کھڑے ہو کر کہنے لگے میرے بھائی (بابائے طب مرحوم و مغفور) کا شاگرد ہو کر مجھ پر تنقید کرتا ہے اور ایسی ہی حواس باختگی کی بہت سی باتیں بڑے جوش غضب کے عالم میں کہہ گزرے، جامی صاحب نے جو ایسے معرکوں کے عادی اور ماہر اور جسمانی صحت سے بھی مایہ دار ہیں۔ بڑے اطمینان اور ٹھہرے ہوئے لہجہ میں جواب دیا، بڑے میاں! "پہلے تو بیٹھ جاؤ، ہانپ رہے ہو، ۔ پھر تم اس یگانہ وقت اور باخدا بزرگ (بابائے طب) سے کیا نسبت رکھتے ہو، اور ان سے نسبت جتاتے ہو جس کی تصدیق کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں اگر ہے تو اسے ثابت کرو اور اچھے آدمیوں کی طرح معقولیت سے بات کرو، اپنی باتوں کے تضاد کو رفع کرو اور اگر کشتی ہی لڑنا ہے تو لو میں بھی کھڑا ہوا جاتا ہوں (اسی دوران دونوں کی بلند آوازیں سن کر زنانے میں سے ایک نوجوان غالباً نواسہ نکل آیا تھا اسے مخاطب کر کے جامی صاحب نے پچکارتے ہوئے کہا) "میاں ابا کی مدد کے لیے صرف تم سے کام نہیں چلے گا اللہ کے فضل سے ۲۵ آدمیوں سے بیک وقت لڑوں گا۔ وہ نوجوان تو مرعوب ہو کر پیچھے ہٹ گیا اور میں نے جامی صاحب کی آتش جلال کو سرد کرنے کے لیے کچھ کہنا چاہا تھا کہ جامی صاحب کڑ کے! معاف فرمائیے محمود میاں! میں باطل اور گمراہ کن اور بے سروپا باتیں سن کر آپ کی طرح خاموش ہو جانا اور تردید کے لیے مناسب موقع کا انتظار کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔ اب میں اس شخص کو بھگتنے کے لیے کیا کوٹری سے پھر کبھی آؤں گا یا یہ مجھے معقول جواب دے ورنہ میں "اپنے بھرے بازو (بازو دکھاتے ہوئے) ان کو حرکت میں لاؤں گا" عباسی صاحب یہ عالم یہ رنگ دیکھ کر بڑے خوف زدہ اور بدحواس سے ہو گئے تھے۔ میں نے اپنے مراسم کے زور پر جامی صاحب کو بجبر التواء جہاد پر آمادہ کیا اور ان کو گھسیٹتا ہوا وہاں سے لے آیا۔

عباسی صاحب سے آخری ملاقات یوں ہوئی کہ میرے فاضل دوست جناب

الغرض ہاشمی صاحب اور میں عباسی صاحب کے یہاں گئے۔ ہاشمی صاحب تاریخ اسلام پر بڑا عبور رکھتے ہیں اور ان کے اور عباسی صاحب کے درمیان کتب مطالعہ کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ تو ایک دن ہاشمی صاحب اور میں عباسی صاحب کے یہاں گئے۔ عباسی صاحب اور ہاشمی صاحب اسی موضوع (حسین و یزید) پر گفتگو کرنے لگے، میں ایک کتاب ہاتھ میں لے کر وقت گزارنے لگا۔ مطالعہ سے میری توجہ بلند ہوتی ہوئی آواز نے ہٹائی:

ایڈیٹ؟، (بیوقوف)

ہاں، ایڈیٹ تھا،

علی ایڈیٹ، علی ایڈیٹ۔

یس، علی ایڈیت، علی واز ایڈیٹ۔

اور ہاشمی صاحب جو پاؤں اٹھائے تخت پر بیٹھے تھے پاؤں لٹکا کر جوتا پہنتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے "حکیم صاحب! آپ ٹھہریں گے، میں تو چلا، اب برداشت کی بات نہیں رہی۔ میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا، فوراً چلیے، اب یہاں کبھی نہیں آنا ہے توبہ توبہ!" اور عباسی صاحب "حکیم صاحب، ہاشمی صاحب" چیختے رہے مگر ہم وہاں سے نکل آئے اور پھر کبھی وہاں نہیں گئے، یہاں تک کہ عباسی صاحب اس کے دربار میں پہنچ گئے جس کے سامنے ان کا باطن ظاہر ہوگا۔

محمود احمد برکاتی

لالوکھیت

۳۰ مارچ ۸۰ء

(محمود احمد عباسی اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں: ص، ۲۷)

(سیدنا علی و حسین رضی اللہ عنہما: ص، ۳۱۹)

عباسی صاحب حضرت عثمان غنی کو خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے

از موسیٰ حسن صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم......

جہاں اس امت مسلمہ میں ایسے سعادت مند اہل علم اور محققین ...... پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے قلم کے ذریعہ دین کی اشاعت تبلیغ کی خدمت انجام دی ہے وہاں ایسے بدبخت گمراہ لوگ بھی ہوئے جنہوں نے اپنے قلم کے ذریعہ دین کے متعلق شکوک پھیلائے، واجب الاحترام ہستیوں کو اپنی خباثت کا نشانہ بنایا اور مسلمہ واقعات کو غلط تاویلات کے ذریعہ مسخ کرنے کو اپنی زندگی کا مشن بنایا۔ محمود عباسی صاحب اسی دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ غالباً ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۵ء کا زمانہ تھا کہ عباسی صاحب کا ایک سلسلہ وار مضمون ''الحسین'' کے نام سے ''کراچی'' کے ایک ماہنامہ میں چھپنا شروع ہوا۔ راقم بھی اپنی کوتاہ علمی کی وجہ سے اس سے متاثر ہو گیا تھا، عباسی صاحب سے اسی دوران تعارف ہوا، اور بعدہ تین چار باران سے ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ مگر دوران گفتگو عباسی صاحب حضرت علیؓ کی شان میں گستاخانہ کلمات اور مغلظات استعمال کرتے رہے، وہ حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شر سے محفوظ رکھا اور میں نے محسوس کیا کہ یا تو عباسی خارجی ہے یا ناصبی۔

مجھے خوشی ہے کہ مطہر نقوی صاحب نے عباسی صاحب کی خباثت پر سے پردہ اٹھانے کے لیے یہ کتاب لکھی ہے اور مجھے امید ہے کہ بہت سے لوگ جو عباسی صاحب کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں اس کتاب سے عباسی صاحب کا حقیقی چہرہ دیکھ سکیں گے۔ فقط

موسیٰ حسن

۲۱/۹/۱۹۸۰

یزید کے متعلق مسلک اعتدال

از

فقیہ العصر، یادگار اسلاف

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

ایک عالم صاحب نے حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ سے ''حیات سیدنا یزید'' نامی کتاب جو ابوالحسن محمد عظیم الدین صدیقی نے لکھی ہے کے مندرجات کے متعلق سوال کیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے درج ذیل تحقیقی جواب تحریر فرمایا تھا جو پیشِ قارئین ہے۔

(بشکریہ حضرت مفتی عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم العالیہ)

اہل السنّت والجماعت کا مسلک رفض اور خارجیت کے درمیان ہے۔ رافضیوں اور خارجیوں کی افراط وتفریط کا مسلکِ اہل سنت سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ آج کل رفض کی تردید میں بعض لوگوں کو غلو ہو گیا اور اُنہوں نے اہل سنت کے مسلک اعتدال سے خروج

کر کے یزید کی حمایت کرنی شروع کردی ہے۔اس کتاب کا نام بھی اس غلو کا آئینہ دار ہے۔ خلاف واقعہ الزامات اور بہتان سے براءت کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ واقعی عیوب اور نقائص کو بھی نظر انداز کردیا جائے،ان کو محاسن اور کمالات بنا کر دکھلایا جائے۔آج کل یزید کی مدح کرنے والے گروہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہوا ہے۔پھر اس کے لیے ان کو بخاری و مسلم کی احادیث کا انکار کرنا پڑ جائے تو وہ یزید کی مدح اور منقبت ثابت کرنے لیے اس کو بھی کر گزریں گے۔ایسے لوگوں کے نزدیک یزید کی منقبت و مدح بخاری اور مسلم کی صحیح احادیث کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے باوجودیکہ یزید پر لگائے گئے بہت سے غلط بہتانوں کے ثبوت کا انکار ہے۔مگر اس کے باوجود بھی ان کا فیصلہ یہ ہے:

مع أنه كان فيه من الظلم،ما كان ثم أنه اقتتل هو و هم وفعل بألحرة أمور المنكرة ۔(منہاج السنۃ:ج۱،ص۲۷)

اور فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے:

هل الحق فيه أنه من ملوك المسلمين،له حسنات و له سيئات ،والقول فيه كالقول فى امثاله من الملوك لا نحبه ولا نسبه وهو أول من غزا القسطنطينية،وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اول جيش يغزوها يغفر لهم،وفعل فى اهل المدينة ما فعل،وقد توعد رسول الله صلى الله عليه وسلم من قتل فيها قتيلا ولعنه

(ص:۳۱۰)

علامہ ابن تیمیہ نے یزید کی طرف سے پورا دفاع کرنے کے باوجود اس حقیقت کو تسلیم کرلیا ہے کہ غزوہ قسطنطنیہ کی حدیث بشارت میں شامل ہونے باوجود بھی اس میں ظلم اور

موجبات لعنت موجود تھے۔ اور حسنات کے ساتھ سیئات بھی اس میں جمع تھے۔ اس لیے وہ جیسے اس پر سبّ (لعنت) نہیں کرتے اس کو محبت کے قابل بھی نہیں سمجھتے۔ بلکہ وہ اس کو شاہان اسلام میں سے ایک ایسا بادشاہ سمجھتے ہیں جس میں اچھائیاں اور برائیاں دونوں ہی پائی جاتی ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ کے اس فیصلے پر اُن لوگوں کو خصوصیت سے توجہ دینے کی ضرورت ہے جنہوں نے یزید کو ایک خلیفہ عادل اور امام راشد کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے کا علم بلند کیا ہوا ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کے پاس علامہ ابن تیمیہ جیسا معلومات کا ذخیرہ ہے اور نہ واقعات کی تحقیق کے ذرائع اور وسائل ان کو میسر ہیں۔ اور نہ لوگوں میں واقعات کی مختلف روایات کی چھان بین کر کے ان میں تطبیق اور ترجیح دینے کا طریقہ اور سلیقہ پایا جاتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد علامہ ابن کثیر جو مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ محقق اور مؤرخ بھی ہیں، اپنی بے نظیر تاریخ "البدایہ والنہایہ" میں یزید کے بارے میں تمام روایات جمع کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وكان فيه أيضا إقبال على الشهوات، و ترك بعض الصلاة في بعض الأوقات وأماتتها في غالب الأوقات۔

(ج:۸، ص۲۳۰)

ان کے علاوہ دوسرے بہت سے اکابر نے بھی یزید کے فاسق ہونے کے بارے میں تصریح فرمائی ہے۔ حضرت مجدد ثانیؒ فرماتے ہیں:

اما یزید بے دولت از زمرۂ فسقه است۔ (مکتوب نمبر:۲۵۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

من القرون الفاضلة اتفاقا من هو منافق، أو فاسق، فمنها الحجاج و يزيد ابن معاويه و مختار۔۔۔۔الخ

(حجۃ اللہ: ج۲، ص،۲۱۵)

حضرت مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں:

اما یزید جابر فاسق متغلب۔ (مجموعۃ الفتاویٰ: ج۲، ص۶۶)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

یزید کو کافر کہنے میں احتیاط رکھیں، مگر فاسق بے شک تھا۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص۴۹)

مفتی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

یزید پر لعنت بھیجنے کے جواز میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ کہ لعنت کرنا درست نہیں اور یزید کا کافر ہونا ثابت نہیں، البتہ فاسق تھا، پس احوط عدم لعن ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ج۸، ص۲۱۷)

حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے فتاویٰ میں بھی اسی طرح ہے کہ:

مسلك اسلم آنست كه آں شقى رابمغفرت وترحم هرگز ياد نبايد كرد، ولعن او كه در عرف مختص بكفار گشته زبان خود را آلوده نبايد كرد۔

(ج۳، ص۸)

ترجمہ: یزید بد بخت کو مغفرت ورحمت کے ساتھ یاد نہیں کرنا چاہیے۔ اور لعنت جو عرف عام میں کفار کے ساتھ خاص ہوگئی ہے اس سے بھی زبان کو آلودہ نہیں کرنا چاہیے۔

غرضیکہ اکابر علماءِ امت کی ایسی ہی تصریحات سے واضح ہو رہا ہے کہ اکابر علماءِ اہل سنت کے نزدیک یزید کا فسق ثابت اور محقق ہے اور ان اکابر علماءِ اہل سنت میں اکابر علماءِ دیوبند رحمہم اللہ بھی شامل ہیں۔ اب جو شخص اس کے خلاف لکھتا ہے یا عقیدہ رکھتا ہے اس کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مسلک اہل السنت والجماعت پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین ۱۴ محرم الحرام/۱۴۱۱ھ

بھری مجلس میں ''عباسی جنتری'' کو چیلنج

از جناب مقبول احمد صدیقی، کراچی

بمقام ''سکرنڈ'' ضلع نواب شاہ بر مکان بشیر صاحب، عباسی صاحب مصنف ''خلافت معاویہؓ ویزید'' کی نشست میں شرکت کا مجھے بھی شرف حاصل ہے یہ نشست سات آٹھ افراد پر مشتمل تھی، عباسی صاحب نے کھانے کے دوران میں بھی سلسلۂ گفتگو جاری رکھا، جو متاثر کن تھا اور ان کے علم و تحقیق کا مظہر، ان کی مربوط و مدلل سے میں خود بہت محظوظ ہو رہا تھا، اس وقت تک میں نے ان کی کتاب ''خلافت معاویہؓ ویزید'' تو نہ پڑھی تھی البتہ اس پر ایک تبصرہ رسالہ ''لیل ونہار'' میں پڑھ چکا تھا، اس لیے مصنف کتاب کو بچشم خود دیکھنے کا متمنی تھا، خوش قسمتی سے اچانک معلوم ہوا عباسی صاحب بنفس نفیس بشیر صاحب کے یہاں آئے ہوئے ہیں اور اسی وقت ان کی نشست بھی ہے، میں فوراً قیام گاہ کی دعوت کے مطابق پہنچ اور پہلی بار ان کی طویل گفتگو سنی، دورانِ گفتگو میں وہ اپنی اس ''جنتری'' کو بھی زیرِ بحث لائے جس کا تذکرہ انھوں نے اپنی کتاب ''خلافتِ معاویہؓ ویزید'' میں کیا ہے اور مخاطبین کو ''مدینہ'' سے ''کوفہ'' تک کی منزلوں کی تعداد بتاتے ہوئے منزلوں کا حساب مفصل سمجھایا اور فرمایا کہ حضرت حسینؓ جس تاریخ کو ''مدینہ'' سے برائے ''کوفہ'' مع اہلِ خاندان روانہ ہوئے ہیں چوں کہ ان کا تمام تر سفر اُونٹ پر تھا اس لیے مورخین حسینؓ کے کوفہ پہنچنے کی جو تاریخ ابتداء محرم کی نقل کرتے ہیں وہ بالکل غلط ہے، اونٹ جس رفتار سے چلتا ہے وہ ان کو محرم کی ابتدائی تاریخوں میں ہرگز نہیں پہنچا سکتا بلکہ وہ ۱۰ محرم کو ''کوفہ'' پہنچے اور اسی روز شہید (۱) ہوگئے یہ آٹھ دس روز کے مظالم اور پانی وغیرہ کی بندش کی روایتیں سب من گھڑت ہیں اونٹ اس رفتار کا متحمل نہیں ہوسکتا کہ وہ حسینؓ کو جبکہ بچے اور عورتیں بھی ان کے ہمراہ ہیں اور سفر شاق ریت کے میدانوں کا ہے، مورخین کی بیان کردہ تاریخ تک پہنچا دے، دورانِ گفتگو میں اُونٹ کی منزل بہ منزل رفتار پر روشنی ڈالتے رہے، جو شخص اُونٹ کی سواری کا خود تجربہ نہ

(۱) محترم عظیم الدین صاحب بھی جو مکھی پر مکھی مارنے کے عادی ہیں اپنے ''حادثہ کربلا'' پمفلٹ میں یہی لکھتے ہیں۔ (مرتب)

رکھتا ہو اس کے لیے ان کی منزل بہ منزل اُونٹ کی رفتار پر بحث نہایت حیرت ناک اور ان کے بے مثال مورخ و لائق ہونے کا لوہا منوانے کے لیے کافی تھی، مگر میرے اوپر اس نے برعکس اثر کیا کہ ان کی تاریخ دانی کا جو رعب ان کی گفتگو کا باقی ماندہ حصہ قائم کر چکا تھا وہ بھی شبہات سے دوچار اور بے وزن ہو گیا اس لیے کہ میں خود کاروباری طور پر جنگلات سندھ سے برسوں سے وابستہ ہونے کے سبب اُونٹ کی سواری کا خود عادی اور ہر میدان میں اس کی رفتار کے نشیب و فراز سے بخوبی باخبر تھا، چنانچہ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے سب لوگوں کی موجودگی میں ان کی گفتگو میں مداخلت کی اور انکے اُونٹ کی رفتار سے متعلق منزل بمنزل دے ہوئے حساب کی قطعی تردید کی، میں نے ان سے کہا کہ یہ آپ کا دیا ہوا حساب میں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بناء پر کہتا ہوں، "بالکل غلط ہے اور میری تصدیق کے لیے آپ ابھی میری جیپ میں بیٹھے اور میرے ساتھ "ماڑی فارسٹ" چلیے جہاں نسلاً بعد نسلٍ اونٹ پر کاروبار کرنے والے اور اونٹ پر اپنے بیوی بچوں اور نہایت وزنی سامان کے ساتھ ریتیلے میدانوں کو عبور کرنے والے بہت سے لوگوں سے آپ کی ملاقات ہو جائے گی، یہ سن کر وہ خاموش (۲) ہو گئے اور میں نے ان سے دعوے سے کہا کہ حضرت حسینؓ تو بہترین سواری کے اونٹوں پر بیٹھ کر مع اپنے متعلقین "مدینہ" سے "کوفہ" کو روانہ ہوئے، اگر وہ "لدی" یعنی سامان برداری کے گھٹیا اور کم رفتار اونٹوں سے بھی "مدینہ" سے مع بچوں کے چلتے تب بھی یقیناً یکم محرم تک کوفہ پہنچ جاتے مورخین کا بیان بالکل صحیح ہے اور آپ کا خلاف حقیقت۔

ع بھری بزم میں راز کی بات کہدی بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

مقبول احمد صدیقی

(محمود احمد عباسی اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں: ص،۳۴)

---

(۲): خاموش کیسے نہ ہوتے ہر شخص جانتا ہے کہ سب سے پہلے ہر مجرم کا ضمیر ہی اس کو میدان مقابلہ و تحقیق آنے سے روکتا ہے پوری جنتری حسینؓ دشمنی اور اسلام دشمنی کی مرہون منت اور محض خود ساختہ ڈراما ہے، ناظرین کو یاد ہوگا کہ پیکر تحقیق مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہ العالی عباسی صاحب کی حیات ہی میں اس افسانوی جنتری کا خوب خوب پوسٹ مارٹم فرما چکے ہیں جس کا موصوف نے آخر دم تک کوئی جواب نہیں دیا۔ (مرتب)

ہماری مطبوعات

- شمائل واَخلاقِ نبوی ﷺ
- تقدیسِ والدینِ مصطفیٰ ﷺ
- ریاضِ نبوی کے گل تر
- عقیدہ ختم نبوت
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت
- میں نے خدا کو دیکھا
- خصائصِ علی رضی اللہ عنہ
- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب
- مقامِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم
- مناقبِ حضرت اَمیر معاویہ رضی اللہ عنہ
- مسئلہ فسقِ یزید اور اَکابر علماءِ اُمت
- یزید کی شخصیت علامہ ابن جوزیؒ کی نظر میں
- خانوادۂ نبوی ﷺ (مناقب علی والحسنین واُمہما فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم)
- یزید اَکابر علماءِ اَہل سنت دیوبند کی نظر میں
- محمود احمد عباسی کے نظریات پر تحقیقی نظر

زیرِ طبع کتب

- مناقبِ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ
- شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ وکردارِ یزید
- اسنَی المطالب فی مناقبِ علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ عنہ
- مسندِ آلِ بیت رضی اللہ عنہم
- سر الشہادتین مع تحریر الشہادتین
- فضائلِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم
- شہیدِ کربلا اور یزید